بدرِ منیر

سُنی شمع نے القصہ جب یہ خبر — گرا خاک پر کہہ کے ہائے پسر

مومن

یہ بات بڑھی کہ مر گئے ہم — موت آئی تھی قصّۂ مختصر رات

زملہ

المختصر اِک جہاں پہ ہے رند — احسانِ ابوالظفر بہادر

حالی

سخن کوتاہ دارالعلم پر ہوں قوم کے نازاں — جو آکر اس کا اِک اِک ذرّہ بکنیوں سے دشمن دیکھیں

کلماتِ خلاصۂ کلام نثر میں ہمیشہ جملے کے آغاز میں آتے ہیں۔ نظم میں یہ پابندی نہیں جیسا کہ امثلۂ مذکورہ سے ظاہر ہے۔

حروفِ تعجّب

جو کسی عجیب چیز کو دیکھ کر خوشی کی حالت میں زبان سے نکلتے یا تعجب کے موقع پر بولے جاتے ہیں۔

اللہ۔ اللہ اللہ۔ اللہ رے۔ اللہ اللہ رے۔ اللہ اکبر۔ اللہ ہو۔ اے ہے۔ آہا۔ تعالیٰ اللہ۔ سبحان اللہ۔ صلِّ علیٰ۔ بَل بے۔ اُف رے۔ اُف ری۔ اُف۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ حاشا و کلّا۔ **شعر**۔

اللہ کس قدر رہِ مقصود دُور ہے — پیکِ خیال راہ میں تھک تھک کے رہ گیا

لطیفہ۔ کسی نے مرزا غالب کو امراؤ سنگھ نام ایک شاگرد کی دوسری بی بی کے مرنے کا حال لکھا۔ مرزا صاحب اُس کے جواب میں رقم فرماتے ہیں کہ امراؤ سنگھ کے حال پر اُس کے واسطے رحم اور اپنے واسطے رشک آتا ہے۔ اللہ اللہ ایک وہ ہیں کہ دو دو بار اُن کی

زاہد مری شراب کے چسکے ہی اور ہیں	توبہ مئے طہور میں ایسا اثر کہاں

"کیا گورنمنٹ جابر اور سخت گیر ہے۔ توبہ توبہ ماں باپ سے بڑھ کر شفیق" نذیر

الٰہی الاماں رہیو نگہباں اپنے بندوں کا	بلا نازل ہوئی شانے پہ کاکل اس نے چھوڑا ہے

"کیسی لو چلتی ہے الاماں الاماں" ظفر

کیا غارت ہزاروں کو ظفر دنیا کی الفت نے	بُری آفت ہے یہ دنیا معاذ اللہ معاذ اللہ

غالب

کس قدر ہرزہ سرا ہوں کہ عیاذاً باللہ	یکقلم خارج از آدابِ وقار و تمکیں

کلمۂ قدوم

وہ کلمہ جو کسی کے آنے کے وقت مسرت میں بطورِ دعا بولا جاتا ہے۔

خیر مقدم - ذوق۔

بارک اللہ کہ دُرافشاں ہے نوائے ابرِ بہار	خیر مقدم کہ خراماں ہے نوائے بادِ شمال

کلماتِ خلاصۂ کلام

وہ الفاظ جن سے ظاہر ہو کہ متکلم کلامِ سابق کا خلاصہ بیان کرتا ہے۔
غرض - الغرض - القصہ قصہ کوتاہ - قصہ مختصر - المختصر - سخن کوتاہ - داغ

بیگانہ دیکھا ہر اک یگانہ دیکھا	اپنے مطلب کا سب زمانہ دیکھا
جس کو دیکھا غرض - غرض کا آشنا	دنیا کا عجیب کارخانہ دیکھا۔

"الغرض خدا کا کوئی فعل حکمت اور مصلحت سے خالی نہیں۔ جیسے ہمارے دل بودے، ہماری ہمتیں پست، ہمارے ارادے متزلزل، ہمارے ایمان ضعیف ہیں ویسے ہی زمانے میں ہم کو پیدا بھی کیا گیا ہے کہ پردہ ڈھکا چلا جاتا ہے"[۱]

۱؎ یہ عبارت مولوی نذیر احمد صاحب کے ایک لکچر کی ہے۔

غالب

حد چاہیے سزا میں عقوبت کے واسطے	آخر گناہ گار ہوں کافر نہیں ہوں میں

"ہاں تو غرض یہ ہے"۔ "اچھا ہم پوچھتے ہیں"

عبدالرحمن خاں احسان

بیٹھا سے آہ بس خدا نہ کرے	تجھکو فرصت ہو سر اٹھانے کی

مومن

غم کھا موئے تو درد دل زار کم ہوا	بارے کچھ اس دوا سے تو آزار کم ہوا

"جو کچھ بھی تم کرتے ہو خدا اس سے باخبر ہے" "آؤ نہ" "دیکھیو تو سہی" **شعر**

لے میں خود کو چہ جلاد کو اے موت چلا	میں ہی آتا ہوں ترے پاس تو کیا آئی ہے
سینے پہ ہاتھ رکھتے ہی کچھ دم پہ بن گئی	تو جان کا عذاب ہوا دل کا تھامنا
ہو کے بیزار عبث گھر کو نہ جاؤ آؤ	تھوڑے سے رنج کو اتنا نہ بڑھاؤ آؤ

جتنے حرف تزئین کلام کلام میں آتے ہیں سب زائد ہوتے ہیں اور کچھ معنے نہیں دیتے لیکن اگر یہ نہ ہوں تو کلام بے مزہ سا ہو جائے۔ ان سے خوشنمائی کے علاوہ کلام میں زور بھی آجاتا ہے۔

تہنیت یعنی مبارک باد کے حرف

مبارک۔ سلامت۔ **مومن**۔

اگیارہ نواب اصغر علی خاں	مبارک سلامت سلامت مبارک

توبہ اور امان وپناہ کے حرف

توبہ۔ توبہ توبہ۔ الٰہی توبہ۔ الاماں۔ الاماں الاماں۔ معاذاللہ۔ معاذاللہ معاذاللہ۔ عیاذاً باللہ **داغ**

چھی - ہشت - ہل پرے ہٹ - دُر دُر - دور ہو[1] - دُور - تُف - تھو - استغفر اللہ - معاذ اللہ - لاحول ولا قوۃ الا باللہ -

رنج و بیتابی کے حرف

جو تکلیف اور گھبراہٹ کی حالت میں مُنہ سے نکلیں -

آہ - اُف - اُف اُف -

	نواب مرزا خاں داغ	
کوسوں تک اُس لئے پاؤں چلا آہ ہی غریب		جب تک مری نظر سے نہ پنہاں وطن ہوا -
	ذوق	
وہ کون ہے جو مجھ پہ تاسف نہیں کرتا		پر میرا جگر دیکھ کہ میں اُف نہیں کرتا

سخت گرمی پڑتی ہے تو کہتے ہیں "اُف اُف گرمی گرمی"

تزئین کلام کے حرف

جو کلام کی زینت اور خوبصورتی کے لیے بولے جاتے ہیں -

بھلا - بارے - آخر - ہاں - اچھا - بس - تو بھی - نہ سہی - لے - لو - آؤ وغیرہ

"بھلا کچھ تو فرمایئے" مومن

دھو دیا اشکِ ندامت نے گناہوں کو مرے		تر ہوا دامن تو بارے پاک دامن ہو گیا

[1] سید محمد خاں رند شعر

پھر یہ منہ لے کے آئے ہو مجھ پاس — دور ہو سامنے سے نفرت ہے

[2] شعر

بعد مردن آپ کے رونے کو سُن کر گور دُور — جلتے ہی جی کہتے ہو صورت تری در گور دور

نشاں مٹا تو مٹا بل بے پستیِ قسمت	کہ نام بھی نہ ہمارا کبھی بلند ہوا

حالی

ستوں چشم بد دور ہیں آپ دیں کے[1]	نمونہ ہیں خلقِ رسولِ امیں کے
ہوا علمِ دیں جس سے تاراج سارا	وہ ہے ہفت نظر علمِ انشا ہمارا

نفریں کے حرف

جو پھٹکار کے موقع پر بولے جاتے ہیں۔

لعنت ۔ اے لعنتِ خدا ۔ پھٹے مُنہ ۔ تُف ۔ خدا کی مار ۔ تھو ۔ دُر[2] ۔ دُر دُر ۔ پھٹ پھٹ زوف ۔

توبۃ النصوح میں نصوح توبہ کرتا ہوا کہتا ہے "لعنت ہے مجھ پر اگر اب مُدۃ العمر گناہ کے پاس پھٹکیں۔ تُف ہے میری زندگی پر اگر معصیت پر اقدام کروں" ذوق

دل فقر کی دولت سے مرا اتنا غنی ہے	دُنیا کے زر و مال پہ میں تف نہیں کرتا

مصرع ۔ اہلِ طمع اہلِ ہوس پر ہے زوف

نفرت کے حرف

جو بیزاری اور ناپسندیدگی کے اظہار اور دھتکار کے موقع پر بولے جائیں۔

---

[1] چشم بد دور ـــ یہ نجیب کا شعر ہے پورا بند یوں ہے ؎

وہ شعر اور قصائد کا ناپاک دفتر   عفونت میں سنڈاس سے جو ہے بدتر

زمیں جس سے ہے زلزلے میں برابر   ملک جس سے شرماتے ہیں آسماں پر

ہوا علمِ دیں جس سے تاراج سارا

وہ ہے ہفت نظر علمِ انشا ہمارا

[2] دُر، دور کا مخفف ہے ماہر دُر دُر، دور دور کا۔

شعر

احسنت اے دبیر اب تو سخن ہے ترا اعجاز | ہر مصرعِ موزوں تری رنگینی سے ہے متانا
میں بھی اس شاہِ زمن محفل میں پڑھا مطلع پر لطف | بلبلِ نغمہ سرا چمن کے بول اٹھے مرحبا

مومن

پڑھ لو یہی وہ غزل کہا عدا بھی | حبذا حبذا کہیں سن کر

غالب

صبر آزادہ اُن کی نگاہیں کہ ہے نظر | طاقت زیادہ اُن کا اشارہ کہ ہائے ہائے

ذوق

نور معنی ہے بہر شکل نتیجہ اُس کا | اللہ اللہ رے نرے شکلِ شہنشاہ

غالب

... لاتی ہے اُس شوخ کی نخوت کیا رنگ | اُس کی ہر بات پہ ہم نامِ خدا کہتے ہیں

صلِ علیٰ یہ عربی لفظ ہیں۔ اور ان میں علیٰ حرف جر ہے۔ اور معلوم ہے کہ حرفِ جر بے مجرور نکما ہوتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ عربی میں کبھی حرف جر بے مجرور نہیں آتا۔ اور یہی سبب ہے کہ مرزا اسد اللہ خاں غالب صلِ علیٰ کا استعمال جائز نہیں رکھتے تھے۔ اُن کا مقولہ یہ تھا کہ حرف جر بے مجرور بولنا ایک عامیانہ اور سوقیانہ (یعنی بازاری لوگوں کی) بول چال ہے، چنانچہ اُن شاگرد کی غزل میں یہ لفظ ہوتا تو اس کی جگہ اور لفظ بنا دیتے۔ گرچہ نکہ اُن کے مسلّم الثبوت استاد شیخ ابراہیم ذوق نے اس کو استعمال کیا ہے۔ اور اہلِ زبان بھی استعمال کرتے ہیں۔ اس لیے اب یہ محاورہ اور سند ٹھیر گیا ہے۔ ذوق کہتے ہیں ؎

وہ کہے صلِ علیٰ ہیں کہے سبحان اللہ | ... ٹے پہ جو تیرے ماشا سپہر

الفاظ طنزاً بھی بولے جاتے ہیں۔ شعر

ناکسوں سے ربط بد وضعوں سے صحبت واہ وا | دیکھ لی حضرت سلامت میرزائی آپ کی

پہلے اے کلمے بھی بولتے تھے۔ اب متروک ہے۔ کبھی اے وائے بھی کاش کی جگہ بولا جاتا ہے۔ غالب۔

آتش کدہ ہے سینہ مرا رازِ نہاں سے	اے وائے اگر معرضِ اظہار میں آوے

تحسین و آفریں کے حرف

وہ حروف جو تعریف کے مقام پر منہ سے نکلتے ہیں تحسین و آفریں کے حرف کہلاتے ہیں۔ آفریں۔ شاباش۔ خوب۔ بہت خوب۔ بارک اللہ۔ جزاک اللہ۔ واہ۔ واہ وا۔ کیا کہنا ہے۔ سبحان اللہ۔ ماشاء اللہ۔ چشم بد دور۔ واہ رے۔ اللہ اللہ رے۔ بل بے۔ ہائے۔ ہائے ہائے۔ احسنت۔ مرحبا۔ حبذا۔ برف نظر ہے۔ نامِ خدا۔ صلّی علیٰ۔

بدرِ منیر کا مصنف خاتمۂ کتاب میں کہتا ہے۔ بیت

غرض جس نے اُس کو سنا یوں کہا	حسن آفریں آفریں مرحبا

"شاباش بیٹا شاباش خوب پڑھتے ہو"

کسی کا عمدہ کلام سنتے یا اُس کو پسند کرتے ہیں تو کہتے ہیں۔ خوب۔ بہت خوب۔ بارک اللہ۔ جزاک اللہ۔ واہ وا۔ کیا کہنا ہے۔ سبحان اللہ

کوئی خوشنما چیز یا پاکیزہ شکل دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں "سبحان اللہ" "ماشاء اللہ" "چشم بد دور" ماشاء اللہ۔ چشم بد دور دفعِ نظرِ بد کے لیے کہتے ہیں۔ شعر

واہ رے شورِ محبت خوب ہی چھڑکا نمک	استخواں میری تھا کس کس مزے سے کھائے ہے
میر دریا ہے سنے شعر زبانی اُس کی	اللہ اللہ رے طبیعت کی روانی اُس کی
بوٹی اکسیر کی اور پارس اگر ہاتھ آئے	بل بے ہمت ترے نزدیک یہ پتھر ہے وہ گھاس

"ہائے۔ ہائے۔ ہائے۔ کیا کلام ہے۔ بس جادو ہے جادو نہیں بلکہ اعجاز"

لہ نظم میں ہے حذف بھی ہو جاتا ہے۔ جیسے۔ امیر مینائی

پڑھتے ہیں دیکھ کے اُس بت کو فرشتے بھی درود	مرحبا صلِّ علیٰ صلِّ علیٰ کہنا کہنا

مولوی محمد حسین صاحب آزاد خواجہ حیدر علی آتش کی وفات کا حال لکھتے ہوئے لکھتے ہیں، کہ "سنہ ۱۲۶۲ ہجری میں ایک دن بھلے چنگے بیٹھے تھے۔ یکایک ایسا موت کا جھونکا آیا کہ شعلے کی طرح بجھ کر رہ گئے"۔ داغ۔

دعا یہ ہے کہ وقتِ مرگ مشکل اس کی آساں ہو		زباں پر داغ کی نام آئے یا رب یک بیک تیرا
	غالب	
نہاں تھا دامِ سخت قریب آشیان کے		اُڑنے نہ پائے تھے کہ گرفتار ہم ہوئے

"زید جوان نہ ہونے پایا تھا جو قضا آ پہنچی"۔
مقام مفاجات میں کہ اور جو ایک دوسرے کی جگہ استعمال کئے جاتے ہیں۔

تمنا کے حرف

وہ حروف جو آرزو کے موقع پر بولے جائیں۔
کاش۔ اے کاش۔ کاشکے۔

یہ حروف ماضی اور مضارع دونوں طرح کے فعلوں پر آتے ہیں۔ غالب۔

نہ کرتا کاش نالہ مجکو کیا معلوم تھا ہمدم		کہ ہوگا باعثِ افزائشِ دردِ دروں وہ بھی
	میر تقی	
کاش اُس کے روبرو نہ کریں مجھ کو حشر میں		کتنے مرے سوال ہیں جن کا نہیں جواب
	غالب	
میں بھی منہ میں زبان رکھتا ہوں		کاش پوچھو کہ مدعا کیا ہے

توبۃ النصوح میں نصوح زندگانی کی تمنا کرتا اور کہتا ہے "اے کاش ہیں کچھ نہیں تو دس بارہ برس ہی اور جی جاتا"۔ شعر

کنج میں بیٹھا رہوں یوں پر کھلا		کاشکے ہوتا قفس کا در کھلا

ناگہاں۔ ناگاہ۔ اچانک۔ دفعتہً۔ یک لخت۔ یکبارگی۔ ایک دم سے۔ ایک بارہ۔ ایکبارگی۔ اتفاقاً یکایک۔ یک بیک۔ کہ جو غیرہ مصدی ۶۔

ناگہاں غیب سے ندا آئی

بت سے مطلب تھا نہ کچھ کام تھا الفت سے ہمیں		دفعتہً پڑ گئے آفت میں خدایا کیسے

" زمانے کا رنگ یک لخت بدل گیا " " لشکر ظفر پیکر نے ایک دم سے دھاوا کر دیا "

مثنوی گلزار نسیم

	برخاست کا تھا نہ رخصتی کا		برہم ہوئی بزم اٹھے سب اک با	
	جانے بودن تو نہ تھی دنیائے دوں		اتفاقاً ایسا آنا ہو گیا	

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱۲۔ اُس میں فروکش ہوئے یعنی مُریدوں نے منت سماجت سے اُن کو وہاں ٹھہا دیا۔ اب پیران نمے پرند مریدان مے پرانند کا وقت آیا تو اس پیر گر ملا قرآنی نے تمام انسانی ضرورتوں کو بارہ مدوں میں تقسیم کیا اور بارہ دری کے ہر ایک دروازہ کو ہر ایک مد کے ساتھ نامزد کر دیا۔ اور شاہ صاحب کو شب کے وقت سمجھا دیا کہ لوگ انھیں دروازوں سے سلام کے لئے حاضر ہوں گے اور ہم اُن کا مطلب معلوم کر کے اُن سے کہدیا کریں گے کہ وہاں فلاں دروازے سے جانا آپ اپنی تہ میں اتنا ضرور اشارہ کر دیجئے گا کہ یہ شخص کس مطلب سے آیا ہے باقی ہم سمجھ لیں گے۔ آغا میر کے یہاں اس گروہ کے ٹھہرنے کی خبر مشتہر ہوئی تو شہر کی خلقت اس قدر ٹوٹی کہ دن رات ایک میلہ لگا رہتا تھا اور شاہ صاحب کے حواشی کے ملے بدون کوئی جا نہ سکتا تھا یہ چکنی چپڑی باتوں سے گرویدہ کرتے اور مشکل شاہ صاحب تک ملنے کی اجازت دیتے مگر اس خاص دروازے سے جو اس مطلب کے لئے نامزد کر رکھا تھا یہ شخص ڈرتے ڈرتے دبے پاؤں بارہ دری تک پہنچتا اور باب الحاجت پر دستک دیتا۔ شاہ صاحب اُس سے تک جو کچھ جی میں آتا کہدیتے۔ مگر اس کے مطلب کا اشارہ ضرور ہوتا۔ تھوڑے ہی دنوں میں شاہ صاحب کی یہ کرامت تو سب پہ ظاہر ہو گئی کہ کشف الصدور میں تو بڑی دستگاہ رکھتے ہیں۔ اور جب کشف الصدور کا یہ حال ہے تو کشود کار پر بھی لامحالہ قادر ہوں گے۔ پھر پیران نمے پرند مریدان مے پرانند۔ پھر ان لوگوں نے کھایا سو کھایا اور پہنا سو پہنا۔ تھوڑی ہی مدت میں زر و جواہر بہت کچھ جمع ہو گیا۔ اس کی تقسیم میں ملا قرآنی اور شاہ صاحب میں ہوئی تکرار اور پردہ فاش ہو گیا۔ نوبت یہ عدالت پہونچی سارا مال و متاع ضبط ہوا۔ اور یہ سب لوگ شہر بدر کر دیئے گئے

حروف مفاجات

جن حروف سے کسی امر کا ناگہاں اور یکبارگی اور اتفاقاً واقع ہونا ظاہر ہو وہ حروف مفاجات ہیں

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۹ - اور میں نہیں جانتا کہ کس بلا کی کشش ہے کہ نہ تو میں نے انجام سوچا اور نہ کسی سے کچھ کہا سنا بس وہ وقت اور آج کا وقت حاضر خدمت ہوں۔ اور شبانہ روز عجب عجب کرشمے دیکھتا ہوں۔ مرشد کے قدموں میں رہتے ہوئے مجھکو دسواں برس ہے ایک بار ارشاد ہوا کہ جا بچہ گھر والوں سے یاد اللہ کر آ۔ اور چلتے وقت ایک بدھنی میں چند کوڑیاں ڈال کر تبرک عنایت ہوا تھا۔ وہ میں گھر والی کے حوالے کر آیا تھا کہ اس کے اندر جو کچھ بھی ہے اس کو نہ تو دیکھنا اور نہ شمار کرنا۔ اور جب خرچ کی ضرورت ہو مرشد کا نام لیکر نکال لیا کرنا۔ تب سے گھر والوں نے کبھی خرچ کی تنگی کی شکایت نہیں کی اور سوا اس بدھنی کے اور کوئی آمدنی نہیں ملا قرآنی نے اس طرح کی گڑھی ہوئی اور بنائی ہوئی کتنی حکایتیں ساتھیوں کو یاد کرادی تھیں کہ کیسا ہی سیانا آدمی ہوتا بے پھنسے نہ رہتا۔ شروع شروع میں ان لوگوں کو کسی قدر تکلیفیں پہنچیں۔ اور سب لوگ رات کے وقت ملا قرآنی کے سر ہوتے تھے کہ کمبخت تو نے ہم کو گھر بھی نہ جانے دیا اور ملا صاحب ان کی تسلی کر دیا کرتے تھے کہ گھبراؤ نہیں عنقریب سب در دریا پاک ہوئے جاتے ہیں۔ چلتے چلتے یہ لوگ لکھنؤ پہنچے۔ اور ان کی شہرت کی لین دوڑی ان سے آگے آگے چلتی تھی۔ یہاں تک کہ کسی کی تقریب سے آغا میر کے امام باڑے میں ان کو جگہ مل گئی۔ اور آغا میر نے ایک بڑی عالیشان عمارت میں شاہ صاحب اور ان کے حواشی کے رہنے کے لئے ان کی فرمائش کے مطابق مکانات بنوا دیے۔ جب خود شاہ صاحب کے لئے مکان کی تجویز ہونے لگی تو مریدوں نے کہا کہ حضرت تو کسی مکان میں رہنے والے ہیں نہیں۔ تحت السماء رہنا پسند فرماتے ہیں۔ اور نہ گرمی۔ برسات۔ جاڑا کوئی موسم ہو کھلے میدان میں بیٹھے رہتے ہیں۔ اور آپ دیکھ لیں گے کہ ساون بھادوں میں سب طرف پانی برستا ہوگا اور شاہ صاحب کی جگہ پر کبھی ابر برسے اور کبھی نہ برسے۔ تمام جاڑے برہنہ رہتے ہیں اور مینہ تو کبھی روندگٹا بھی کھڑے ہوتے نہیں دیکھا۔ اور یوں لوگ دوشالوں کی گٹھریاں چھپے چھپے جلتے ہیں حضرت کبھی نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے لیکن ان تمہیدات کے بعد آغا میر کے اصرار سے شاہ صاحب کے لئے وسط باغ میں ایک بارہ دری بنی اور شاہ صاحب

لامحالہ قادر ہوں[٥] گے"

[٥] یہ فقرہ ایک حکایت میں لکھا ہے جو مولوی صاحب نے پیران نمی پرند مریدان می پرانند کی تشریح کرتے ہوئے بیان کی ہے۔ چونکہ یہ حکایت لفظاً و معنیً نہایت دلچسپ ہے، اس لیے ہم بنا بر تفریح طبع ناظرین اُس کو یہاں نقل کرتے ہیں۔

حکایت۔ کسی پلٹن میں سے ایک کمپنی کی کمپنی کے نام کاٹ دیے گئے۔ یہ غدر ۱۸۵۷ء سے پہلے کی بات ہے۔ ان دنوں مسلمانوں کی پلٹنوں میں ایک مُلّا قرآنی بھی ہوا کرتے تھے۔ مجھکو معلوم نہیں کہ وہ خدمت سرکاری تھی یا نہیں۔ اگر سرکاری تو کیا ہوگی۔ ملا صاحب اپنے طور پر نمازی سپاہیوں کی امامت کر دیا کرتے اور مسئلے مسائل بتا دیا کرتے ہوں گے۔ غرض جس طرح گوروں کا پادری ہوا کرتا ہے اور سرکار سے تنخواہ پاتا ہے اُسی طرح ملا قرآنی مسلمانوں کے پادری ہوا کرتے تھے اور مذہبی خدمات اُن سے متعلق تھیں۔ لوگ اپنے طور پر اُن کی گزر اوقات کا انتظام رکھتے ہونگے۔ خیر تو جب اس کمپنی کا نام کٹ گیا تو اُن کے ساتھ مُلّا قرآنی بھی پلٹن سے نکال دیے گئے۔ مگر یہ تھے بڑے چلتے پرزے۔ اُنھوں نے سپاہیوں کو تسکین دی کہ نام کٹ جانے کی مطلق پروا نہ کرو۔ میں ایسے بہت ہنر جانتا ہوں کہ تم سب کے سب زیادہ نہیں دو تین ہی برس میں امیر ہو جاؤ اور تمہاری نظر میں صوبیداری کی بھی کوئی حقیقت باقی نہ رہے۔ یہ سن کر سپاہی ملا صاحب کے گرد اگرد اس طرح سمٹ آئے جس طرح سنتری پر ہتھیار لینے کیلئے جمع ہو جاتے ہیں۔ تب ملا صاحب نے آہستگی سے راز کے طور پر اپنا منصوبہ ظاہر کیا کہ ہم میں سے ایک تو بنے فقیر مجذوب اور باقی اُسکے مرید و معتقد۔ ملا صاحب نے یہ بھی کہا کہ اگرچہ فقیر بننے کی مجھ کو سب سے زیادہ قابلیت ہے لیکن پیر بننا آسان ہے اور مرید بننا مشکل یعنی پیر بودن آسان ہے اور مرید بودن مشکل۔ یہ کہکر ایک شخص کو متعین کیا جو آسانی سے مجذوب کی صورت بنا سکتا تھا۔ اور اُس کو سمجھا دیا کہ تم مطلقاً کسی سے بات چیت نہ کرنا۔ یہانتک کہ ہم لوگوں سے بھی نہیں۔ اور رات کے وقت ہم سب جمع ہو کر اگلے دن کا پروگرام تجویز کر لیا کریں گے۔ چنانچہ وہ شخص شاہ خاموش بنا اور اُس نے نہ بولنے کا عہد کیا اور یہ ساری کمپنی اُس کے ساتھ ہوئی۔ وہ شاہ صاحب کسی جگہ تنہا بیٹھ جاتے اور یہ لوگ اُن سے دور دور رہتے۔ عوام کے دلوں میں فقیروں کی بھی ایک طرح کی ہیبت بیٹھی ہوتی ہے۔ کوئی شخص شاہ صاحب کے پاس جانا چاہتا تو پہلے اُن کے حواشی سے معرفت پیدا کرتا۔ اور حواشی بڑی شد و مد کیساتھ شاہ صاحب کی کرامات اور خوارق عادت کا اُس پر اظہار کرتے۔ کوئی کہتا کہ میں فلاں پلٹن کا صوبہ دار تھا ایکبار اتفاق سے شاہ صاحب کی مجھ پر نظر پڑ گئی۔

پھر نہ آئے جو ہوئے خاک میں جا آسودہ   غالباً زیر زمیں میرؔ ہے آرام بہت

"ہو نہ ہو یہ تمہارا بھائی ہے"

ہو نہ ہو کا لفظ تحقیق کے معنوں میں بھی بولا جاتا ہے۔ اس لئے ہم اس کو کلمات تحقیق میں بھی لکھیں گے۔

تنبیہہ بعض لوگ غالباً کے قیاس پر اغلباً کہتے ہیں۔ یہ غلط ہے۔ کیونکہ عربی کا کوئی لفظ جو افعل کے وزن پر ہو منوّن نہیں ہو سکتا۔

کلمات تحقیق و یقین

بے شک۔ بلاشک۔ بے گماں۔ یقیناً۔ قطعاً۔ ہو نہ ہو۔ ضرور۔ لاجرم۔ تحقیق۔ مقرر۔ البتہ۔ لامحالہ۔

"بے شک خدا نیکوکاروں کو نیک بدلہ دے گا" بیت

کی خدا نے جو یہ زبان عطا	ہے بلاشک عطیۂ عظمےٰ

مقتول

گو کہ طبع شعر ابحر رواں ہے مقتول	بے گماں ہیں بھی اک آن میں دُر یکدانہ ہوں

"تمھارا قول یقیناً صحیح ہے" "میں نے قطعاً نہیں کہا" "یہ بشر تو نہیں ہو نہ ہو ایک معزز فرشتہ ہے" (ترجمۃ القرآن مولوی نذیر احمد)

ہر ایک جاندار کو مرنا ضرور ہے" "توبۃ النصوح میں ہے" ایک بیٹا اور ایک بیٹی تو پکی عمر کے ہیں۔ اور بیاہے جا چکے ہیں۔ اور لاجرم اُن کی عادتیں راسخ اُن کی خصلتیں کالطبیعہ ہیں" "تحقیق یا مقرر خدا بخشنے والا ہے"

تحقیق اور مقرر اور البتہ کا استعمال عام بول چال میں کم ہوتا جاتا ہے۔ مولوی نذیر احمد صاحب اپنے ایک لکچر میں لکھتے ہیں "جب کشف الصدر کا یہ حال ہے تو کشتہ دیدکار پر بھی

حروفِ تفریع

جب کلام سابق سے کوئی امر مستنبط کریں یا نتیجہ نکالیں تو جو حرف کلامِ مستنبط یا جملۂ نتیجہ پر لاتے ہیں وہ حروفِ تفریع ہیں۔

تو۔ پس (پس فارسی لفظ ہے اور جس طرح فارسی میں مستعمل ہے اسی طرح اُردو میں بولا جاتا ہے)۔

"تو اس سے یہ بات ظاہر ہوئی کہ" "پس ثابت ہوا کہ ...."

حروفِ تفریع جملے کے شروع میں آتے ہیں

تسلسلِ کلام کے حرف

وہ حرف جن سے کلام مابعد کو کلام ماسبق سے مسلسل و مربوط کریں۔

تو۔ سو۔ یہ حرف اکثر لمبی لمبی عبارتوں میں آتے ہیں۔

شک و ظن کے حرف

جن سے کسی بات کے ہونے یا نہ ہونے میں شک ظاہر کریں۔

شاید۔ گر۔ اسیر۔

باندھی ہے سب نے زیرِ فلک جھوٹ پر کمر	شاید بگڑ گیا ہے کہیں ٹھیلا سکا

مومن

بیچارہ بے قرار ہے درماں کی فکر میں	آگاہ میرے حال سے مشفق مگر نہیں

ظنِ غالب کے حرف

وہ حرف جن سے ایسا شک پایا جائے جو یقین کے قریب ہو۔

غالباً ہو نہ ہو۔ میر تقی

جہاں گیا میں گیا دام لے کے واں صیاد		پھرا تلاش میں میری کہاں کہاں صیاد
میں وہ نہیں کہ تم ہو کہیں اور کہیں ہوں میں		میں ہوں تمہارا سایہ جہاں تم وہیں ہوں میں

"آپ یہیں ٹھہریے گا" "میں مدت سے وہیں رہتا ہوں" "اس کا کہیں نشان نہیں ملتا" "اِدھر آؤ" "اُدھر مت دیکھو" "خدا جانے زید کدھر گیا" **شعر**

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے		مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے

"اب کیا ہے" "جب یا تب تو سب کچھ تھا" "معلوم نہیں ایسا کب ہوا" "ابھی کچھ نہیں بگڑا" "میں ابھی ابھی آتا ہوں"

"تم نے جبھی (یا تبھی) کیوں نہ کہدیا" "اس نے کبھی ایسی حرکت نہیں کی" "کبھی کبھی تو ملا کیجئے"

کبھی اور کبھی کبھی کے ہم معنی فارسی الفاظ گاہے اور گاہے گاہے بھی اردو میں مستعمل ہیں۔ جیسے **اُستاد**

سرسری اُن سے ملاقات ہے گاہے گاہے		صحبتِ غیر میں گاہے سرِ راہے گاہے

اس جگہ۔ اُس جگہ۔ کس جگہ۔ کس کس جگہ۔ جس جگہ۔ جس جس جگہ۔ اِسی جگہ۔ اُسی جگہ کسی جگہ۔ اس طرف۔ اُس طرف۔ اِسی طرف۔ اُسی طرف۔ جس طرف۔ کس طرف۔ کسی طرف اِس وقت۔ اُس وقت۔ اِسی وقت۔ اُسی وقت وغیرہ بھی الفاظِ ظرفیت ہیں۔

حرفِ تفسیر

جس سے کسی لفظ کے معنی یا کسی کلام کا مطلب کھول کر بیان کریں۔

یعنی

"اسراف یعنی فضول خرچی نہایت مذموم ہے" **غالب**

دیوانگی سے دوش پہ زنار بھی نہیں		یعنی ہماری جیب میں اِک تار بھی نہیں

کیا صبح و مسافت کٹی جاتی ہے	مقراض حیات ہیں یہ دن رات نہیں[شاہ]

مومن

پھولوں کو جس کی بو نے ملایا تھا خاک میں	ہے اُس کی خاک وقف نسیم وا اصیبتا

"توبۃ النصوح میں ہے" تب یہ دوسرا صدمہ نصوح کے دل پر ہوا کہ واحسرتا میں تو تباہ ہوا ہی تھا۔ میں نے ان تمام بندگان خدا کی بھی باٹ ماری[۱]"

ہائے کی طرح حیف اور افسوس وغیرہ بھی مکرر آتے ہیں۔ ع

گردشِ چرخ حیف حیف دورِ زمانہ ہائے ہائے مشعر

تو جائے تو کیوں نہ آئے افسوس	افسوس افسوس ہائے افسوس

ظرفیت کے حروف

وہ حروف جو مقام ظرفیت میں بولے جائیں۔

ہاں۔ یہاں۔ وہاں۔ یاں[۲]۔ واں[۲]۔ کہاں۔ کہاں کہاں۔ جہاں۔ جہاں جہاں۔ یہیں[۳]۔ وہیں[۳]۔ کہیں۔ ادہر۔ اُدھر۔ جدھر۔ کدھر۔ ظرفِ مکاں کے لئے آتے ہیں۔

اور اب۔ جب۔ کب۔ تب۔ ابھی۔ ابھی ابھی۔ جبھی۔ تبھی۔ کبھی کبھی۔ ظرفِ زماں کیلئے۔ ان میں سے کہاں۔ کہاں کہاں۔ کدھر۔ کب زیادہ تر استفہام کے لئے آتے ہیں اور ان میں سے بعض حرف جیسے جہاں۔ جہاں جہاں۔ جدھر اور جب حرفِ موصول و حرفِ شرط وغیرہ بھی ہیں۔ جیسا کہ بیان ہو چکا۔

"کل مولوی صاحب میرے ہاں تشریف لائے تھے" "یہاں کیا رکھا ہے" "میں وہاں نہیں گیا"

ہاں لب بیقرار کو کچھ سخن اضطراب میں	واں ایک خامشی تری سب کے جواب میں

"خدا نے اسے کہاں پہنچایا" "وہ بیچارہ کہاں کہاں پھرا" شعر

۱ے رستہ کھوٹا کیا ۔ ۲ے یہ الفاظ صرف نظم میں آتے ہیں ۳ے یہیں اور وہیں اصل میں یہاں ہی اور وہاں ہی ہے۔

تیرے دل میں گر نہ تھا آشوبِ غم کا حوصلہ
تو نے پھر کیوں کی تھی میری غمگساری ہائے ہائے

ذوق

ہائے رے حسرتِ دیدار مری ہائے کو بھی
لکھتے ہیں ہائے دوچشمی سے کتابت والے

جو نہوں عقدے کبھی جوں غنچۂ تصویر وا
وائے قسمت وہ ہمارے عقدۂ مطلب بنے

کون وقت اے وائے گزرا جی کو گھبراتے ہوئے
موت آتی ہے اجل کو یاں تلک آتے ہوئے

گلزارِ نسیم

ہے ہے مرا پھول لے گیا کون
ہے ہے مجھے داغ دے گیا کون

مقتول

خاک ہم کو کر دیا تیرے غبارِ دل نے آہ
حیف ہے ظالم تجھے اب تک صفا پاتے نہیں

صفدر

غفلت میں گزر گئی جوانی افسوس
کچھ قدر شباب کی نہ جانی افسوس
وہ ولولے اب خزانِ پیری میں کہاں
افسوس بہارِ زندگانی افسوس

حالی

دشمن اپنا ہو گیا سودائے مال و جاہ حیف
حرص نے طعمے کی شیروں کو کیا روباہ حیف

مومن

وہ مہر جلوہ زیرِ زمیں اے فلک دریغ
گردوں نشیں ہو خاک نشیں اے فلک دریغ

مولوی نذیر احمد

اب[۱] اُس کی یہ نوبت ہوئی ہے دریغا
کفِ دست میدان ہے جیسے کلّا

رباعی

کچھ[۲] فکرِ مآلِ کار ہیہات نہیں
اندیشۂ مابقی و مافات نہیں

۱ باغِ اسلام کی ۱۲ ۲ اصل میں مابقی بکسرِ قاف و فتحِ یا ہے گر تصرف کر کے مابقی بولتے ہیں ۱۲

جواب یا ایجاب کے حرف

کوئی پکارے تو اس کے جواب میں یا کسی بات کے اقرار کرنے میں جو الفاظ بولے جاتے ہیں وہ جواب یا ایجاب کے حرف ہیں۔

ہاں۔ جی۔ بھلا۔ اچھا۔ بہت اچھا۔ ٹھیک۔ واقعی۔ درست۔ بجا۔ کیوں نہیں

ہاں اور جی ندائے قریب کے جواب میں بولے جاتے ہیں۔ بھلا ندائے بعید کے جواب میں۔ مقام ادب میں ہاں کے پہلے جی لگاتے ہیں اور جی ہاں کہتے ہیں۔ ہاں سوال کے جواب میں بھی آتا ہے۔ اچھا اور بہت اچھا امر یا نہی کے قبول میں۔ ٹھیک۔ واقعی۔ درست۔ بجا متکلم کی تصدیق کے لئے۔ جیسے :-

ہر ایک بول پہ اُن کے مجلس فدا ہے	ہر اک بات پہ واں درست اور بجا ہے

کیوں نہیں۔ ایجاب نفی کے لئے یعنی کلام منفی کے جواب میں جس میں استفہام ہو آتا ہے۔ جیسے خدا نے ارواح سے فرمایا "کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں؟" انہوں نے جواب دیا "کیوں نہیں"۔ دیکھو کیوں نہیں سے خدا کے پروردگار نہ ہونے سے انکار یعنی پروردگار ہونے کا اقرار کیا گیا ہے۔

یہ لفظ عام طور پر بھی استفہام کے جواب میں آتا ہے خواہ کلام منفی ہو یا مثبت۔ جیسے روز بدتم سیر کو نہیں چلو گے"؟ "کیوں نہیں" "آپ بھی چلیے گا"؟ "کیوں نہیں"۔

ندبہ و تاسف کے حرف

جو افسوس کے مقام پر بولے جائیں۔

ہائے ہائے ہائے۔ ہائے رے۔ وائے۔ اے وائے۔ ہیہات۔ آہ۔ افسوس۔ حیف۔ دریغ۔ دریغا۔ ہیہات۔ وامصیبتا۔ واحسرتا **غالب**

ہائے واں بھی شورِ محشر نے نہ دم لینے دیا	لے گیا تھا گور میں ذوقِ تن آسانی مجھے

ہیں نام ترا لے لے دن رات جو چلاؤں	[illegible]	اور سنتے ہوئے بہرے کبھو نکر نہ گا بیٹھے

ہوت میاں یا اجی کے ساتھ آتا ہے۔ جیسے "میاں ہوت" "اجی ہوت"۔ اس لفظ کو خواص استعمال نہیں کرتے۔ شعر میں مطلق نہیں آتا[1]

ارے یا تو کم رتبہ شخص کے لیے بولا جاتا ہے یا بے تکلف دوستوں میں۔ جیسے "ارے احمق" "ارے بیوقوف" "ارے میاں"۔ فصحا اس لفظ کو بہت کم بولتے ہیں۔

بے اور ابے خوار اور ذلیل شخص کے حق میں بولے جاتے ہیں۔ جیسے "سن بے" "ابے پاجی"۔ ارے او۔ ابے او بھی مقام تحقیر میں استعمال کئے جاتے ہیں مصرع

ادھر آ بے ابے او چاک گریباں والے

اس مصرع میں دو حرف ندا اکٹھے استعمال کئے گئے ہیں۔

رے یہ بہت کم بولا جاتا ہے۔ شعر

	اللہ رے تیری بے نیازی		یعقوب کو مدتوں رلایا	

اجی اکثر بزرگ آدمی کے حق میں بولتے ہیں۔ جیسے "اجی حضرت" "اجی قبلہ"۔ کبھی ازراہ بے تکلفی اپنے سے چھوٹے شخص کے حق میں بھی بول لیتے ہیں۔

الف لفظ کے آخر آتا ہے اور بیشتر اس کا استعمال نظم میں ہے۔ ذوق۔

خسروا مژدہ کہ ترا مژدۂ جشن نوروز		آج ہی بلبل تصویر تلک زمزمہ سنج	

ناسخ

کون کرتا ہے بتوں کے آگے سجدہ ناسخا		سر کو دے دے مار کر توڑیں گے بتخانہ کو ہم
مثل جرس ہے ہرزہ درائی عبث دلا		دنیا سے کر گئے ہیں سفر ہمزباں کوچ

فائدہ۔ ہوت اور الف ندا کے سوا تمام حروف منادی سے پہلے آتے ہیں۔

فائدہ۔ بعض الفاظ بھی تخصیصاً ندا مستعمل ہیں۔ جیسے قبلہ۔ جناب۔ غریب پرور۔ حضور وغیرہ

[1] مصنف کا یہ خیال درست نہیں۔ بتارا انشا خاں بقلسے جو سودا اور میر کے معاصر ہیں لکھا ہے

منہ پھیر کے دیکھا اس نے ادھر ہاے ستم — کتنا ہی میں رو رو کے پکارا کہ بتا ہوت — [illegible]

کبھی یہ اتنہ یہاں تک بھی اس قدر کے معنوں میں آتے ہیں۔ جیسے مومن۔

یہ انفعالِ گنہ سے میں آب آب ہوا	کہ میرا کاسۂ سر کاسۂ حباب ہوا

یعنی گناہ کی ندامت سے میں اس قدر پانی پانی ہوا۔ **مقتول**۔

ہوں یہاں تک اے دلِ وحشی تہِ افلاک تنگ	ہیں مثال مغز گویا دانۂ خردل میں ہوں

حرفِ ندا

جو پکارنے کے لئے بولے جاتے ہیں۔

اے۔ یا۔ او۔ ہوت۔ ارے۔ بے۔ ابے۔ ارے او۔ ابے او۔ رے۔ اجی۔ الغ

نواب سید محمد خاں رند

حور پر آنکھ نہ ڈالے کبھی شیدا تیرا	سب سے بیگانہ ہے اے دوست شناسا تیرا
کس دن زبان رات کو شکرِ دعا نہ تھی	یا رب تری جناب میں کب التجا نہ تھی
جانِ حزیں یقین ہوا دل نے کھوئی ہے	یا خضر آپ ہی نے یہ کشتی ڈبوئی ہے
شاہد رہیو تو اے شبِ ہجر	جھپکی نہیں آنکھ مصحفی کی

او بیشتر مقامِ تحقیر میں بولا جاتا ہے۔ اور کسی صفت کے ساتھ جیسے "او بے رحم" "او نالایق" ناسخ

دم بدم چھپ بر جبیں ہوتا ہے مجھ پر کس لئے	آپ آئینہ میں او ظالم بھلا کیا کار ہے ج

کبھی اس لفظ سے ایسے شخص کو بھی خطاب کرتے ہیں جس کو نہایت عزیز سمجھتے ہیں۔ جیسے

لہ (حکایت) ایک آدمی کو رات بھر کھٹملوں نے سونے نہ دیا۔ یہ شخص بے قرار ہو کر خدا سے دعا مانگنے لگا کہ اے خدا اس عذاب کو دفع کر کھٹمل کب جاگ سکتے تھے کہ کاٹتے کاٹتے سلا دیا۔ تب یہ پاجی کھٹملوں کا آزور نہ چلا عاجز ہو کہنے لگا کہ اے خدا تو نے اس قدر سے کام میں میری مدد نہ کی تو بڑے کاموں میں تو کیا میری مدد کرے گا۔ جواب ملا کہ ہاں او بے ایمان جب تجھے چھوٹی چھوٹی باتوں میں بیقرار ہو کر مجھ کو بلانا ہے اور اپنے ہاتھ نہیں ہلانا چاہتا تو بڑے کاموں میں بھی تیری فریاد نہیں سُنی جائے گی تجھکو اتنی قدرت حاصل ہے کہ کھٹملوں کو دفع کرے اور تو اس قدرت کو کام میں نہیں لاتا۔ ۱۲

(منتخب الحکایات)

کبھی تذلل و انکسار کے لیے۔ جیسے ؎

کیا فائدہ فکرِ بیش و کم سے ہوگا	ہم کیا ہیں کہ کوئی کام ہم سے ہوگا

یعنی ہماری ہستی اور حقیقت کیا ہے۔

کبھی طنزاً کہتے ہیں۔ غالب

واعظ نہ تم پیو نہ کسی کو پلا سکو	کیا بات ہے تمہاری شرابِ طہور کی

کبھی شاعر واردات دل ظاہر کرتا ہوا کہتا ہے ؎

صدمے گزرے اپنا گزری	ہجر میں تیرے کیا کیا گزری
کس سے کہیے کون سنے گا	کیا کیا گزرا کیا کیا گزری

کبھی بجھے دل سے کہتا ہے۔ شعر

کیا ماجرا لکھوں میں کہ تابِ رقم نہیں	ہیں نالہ ہائے صور صریرِ قلم نہیں

کبھی کیا کیوں کے معنی دیتا ہے۔ شعر

رات دن چکر میں ہیں سات آسماں	ہو رہے گا کچھ نہ کچھ گھبرائیں کیا

مقدار کے حروف

مقدار کے حروف وہ ہیں جو اندازہ و مقدار کے لیے استعمال کیے جائیں۔ جیسے اتنا سبق پڑھو جتنا یاد کر سکو۔ یہاں اتنا اور جتنا حروفِ مقدار ہیں۔

اِتنا۔ اُتنا۔ کِتنا۔ جِتنا۔ جو جمع اور مؤنث میں اِتنے۔ اِتنی۔ اُتنے۔ اُتنی۔ کِتنے۔ کِتنی۔ جِتنے۔ جِتنی۔ ہو جاتے ہیں۔ اِن میں سے کِتنا۔ کِتنے۔ کِتنی کلماتِ استفہام بھی ہیں جو استفہام مقداری یا عددی کے موقع پر بولے جاتے ہیں۔

اِس قدر۔ اُس قدر۔ کس قدر۔ جس قدر۔ اُسی قدر۔ کسی قدر بھی الفاظِ مقدار ہیں۔ مقتول

اس قدر دل سے کیا نقشِ دوئی کو میں نے محو	ہیں ہم نظارہ یکتا دیدۂ احول میں ہوں

زندگی زندہ دلی کا ہے نام	مُردہ دل خاک جیا کرتے ہیں!

حروفِ استفہام کے علاوہ اسمائے استفہام بھی آتے ہیں جن کا ذکر حصہ اول میں گذر چکا :۔

استفہام کی قسمیں | استفہام تین قسم کا ہوتا ہے۔

اول اقراری۔ جیسے "اگر یہ اُس کی نادانی کا نتیجہ نہیں تو اور کیا ہے" (یعنی یہ اُس کی نادانی ہی کا تو نتیجہ ہے۔)

دوسرے انکاری۔ جیسے "زید نے یوں کب کہا ہے" (یعنی یوں نہیں کہا) شعر

کرتا ہے ابر اپنا لہو پانی ایک کیوں	کب رو سکے گا دیدۂ خونبار کی طرح!

یعنی دیدۂ خونبار کی طرح نہیں رو سکے گا۔

تیسرے استخباری۔ جیسے "تمہارے ہاتھ میں کیا ہے؟" "حامد کون شخص ہے؟"

فائدہ۔ کیا کبھی تعجب، عظمت اور مبالغہ و کثرت کے لیے آتا ہے۔ جیسے "کیا بھینی بھینی خوشبو ہے" "کیا جادو بیاں شخص ہے" "کیا خوش متکلم ہے"

کبھی حقارت کے لئے۔ جیسے "زید کیا آدمی ہے" "کیا چیز ہے" غالب۔

ہر ایک بات پہ کہتے ہو تم کہ تو کیا ہے	تمھیں کہو کہ یہ اندازِ گفتگو کیا ہے

ذوق

سیراب نہ ہو جس سے کوئی تشنۂ مقصود	اے ذوق جو وہ آبِ بقا بھی ہے تو کیا ہے

کبھی مساوات کے لیے۔ ایسی حالت میں تکرار ضرور ہے۔ جیسے "کیا بادشاہ کیا فقیر سب موت سے ناچار ہیں"

کبھی نہی کے لیے۔ جیسے "کیا شور مچا رکھا ہے"

کبھی نفی کے لئے۔ جیسے شعر۔

کیا جانیں ہم زمانے کو حادث ہے یا قدیم	کچھ ہو بلا سے اپنا کہ ہیں فانیوں میں ہم

استفہام کے حرف

جو پوچھنے کے موقع پر بولے جاتے ہیں

کیا۔ آیا۔ کیوں۔ کاہے کو۔ کیونکر۔ کیسے۔ کس طرح سے۔ کس واسطے۔ کس لئے۔ بھلا وغیرہ

کیا اکثر ہمیشہ ابتدائے کلام میں آتا ہے۔ "کیا تم نے زید کو مارا؟" "آیا یہ کام خالد نے کیا یا کسی اور نے؟" "اُس نے میرا کہا کیوں نہ کیا؟"

کاہے کو کیوں کے معنوں میں آتا ہے۔ شعر

باہم سلوک تھا تو اٹھاتے تھے نرم گرم	کاہے کو میر کوئی دبے جب بگڑ گئی

مصرع۔ تم نے اتنا بھی نہ پوچھا کیا ہوا کیونکر ہوا۔

کیسے۔ کیوں اور کیونکر دونوں کے معنوں میں آتا ہے۔ جیسے۔ شعر

یہ ہاتھ کیسے ہیں بیکار کچھ تو کار کریں	بہار آئی گریبان تار تار کریں
بارِ عصیاں سے ہوا ہے مرا مردہ بھاری	دیکھیے اٹھتا ہے یارب یہ جنازہ کیسے
کس واسطے کچھ اداس سے ہو؟	کس سوچ میں بے حواس سے ہو؟

غالب

یارب زمانہ مجھکو مٹاتا ہے کس لیے	لوحِ جہاں پہ حرفِ مکرر نہیں ہوں میں

نظم میں کیونکر کی جگہ کیونکہ بھی آتا ہے مگر بہت کم۔

ایں بھی مقام تعجب میں استفہام کے لیے آتا ہے جیسے "ایں! ابھی جلدی؟" اور کبھی صرف استفہام کی تاکید کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ جیسے "ایں کیا ٹوپی کے بدلے جوتے لے نکلے؟" ایں کی جگہ ہیں بھی آتا ہے۔

کبھی تحقیر کے مقام پر خاک کا لفظ استفہام کا کام دیتا ہے۔ رند۔

سنیئے گا ذکر قبروں میں آخر گڑے گے منعم	تا کے مالِ دنیا خاک غیر از یاس حسرت ہے!

مثنوی فریاد داغ

دیکھو نواب میرزا دیکھو	دیکھو اپنا برا بھلا دیکھو

"دیکھنا کسی کو خبر نہ ہو" بیت۔

سن کوئی ہزار کچھ سنائے	کیجیے وہی جو سمجھ میں آئے

مولوی نذیر احمد صاحب لکھتے ہیں۔

پڑے کیا ہو سید کے مذہب کے پیچھے وہ لے گئے دیکھیو تم فائدے کی	سنو جی یہ کافر سہی بلکہ اکفر تو کیا منہ سے کرلوگے نقصان سراسر

مصرع۔ کرو نہ اہل وفا پر جفا سنو تو سہی۔

کسی کو کسی امر مذموم سے روکتے ہیں تو کہتے ہیں "خبردار پھر ایسا کیا تو تو جانے گا"
خیر کا لفظ بھی کبھی دھمکی کے طور پر بولا جاتا ہے۔ جیسے خیر سمجھا جائے گا۔

مثال کے حرف

وہ حرف جو کسی ایسے جملے پر آئیں جو بطور مثال کسی امر کے بیان کیا جائے
مثلاً جیسے۔

یہ حرف اس کتاب میں تم جابجا دیکھتے ہو۔ کسی اور مثال کی حاجت نہیں۔

تشبیہ کے حرف

جن الفاظ سے ایک چیز کا دوسری چیز جیسا ہونا ظاہر ہو وہ تشبیہ کے حرف ہیں۔
(سا۔ کا سا۔ ایسا۔ ویسا۔ جیسا۔ جو جمع اور مؤنث میں سے۔ سی۔ کے سے۔ کی سی
ایسے۔ ایسی۔ ویسے۔ ویسی۔ جیسے۔ جیسی ہو جاتے ہیں)۔ جوں۔ مانند۔ طرح۔ گویا۔ یوں
اس طرح سے۔ بعینہٖ۔ ہو بہو۔ عین ہیں۔ غالب۔

کوئی مجھسا نہیں زمانے میں	شاعر نغز گو و خوش گفتار

نہ جاؤں گا کبھی جنت میں میں نہ جاؤں گا	اگر نہ ہووے گا نقشہ تمہارے گھر کا سا

کبھی تاکید کے الفاظ کو آگے پیچھے کر دیتے ہیں۔ جیسے الاسلام میں ہے ؎

سرانجام پاتے نہیں کام اس بن	نہیں کام پاتے سرانجام اس بن

ان الفاظ کے سوا اور الفاظ بھی بعض اوقات تاکید کا فائدہ دیتے ہیں۔ جیسے۔ "کیوں میاں حامد کیا صلاح ہے؟" یہاں کیوں تاکید کے لئے آیا ہے۔ ذوق۔

ہر باغِ جہاں میں تجھے گر ہمتِ عالی	کر گردنِ تسلیم کو خم اور زیادہ!

اس شعر میں لفظ اور اور زیادہ دونوں تاکید کے لیے آتے ہیں۔

تنبیہ کے حرف

جو دھمکانے اور خبردار کرنے کے موقع پر بولے جاتے ہیں۔
ہیں۔ ہوں۔ ہاں۔ دیکھ۔ دیکھو۔ دیکھنا۔ سن۔ سنو۔ سنو جی۔ سنو تو سہی۔ خبردار "ہیں یہ کیا کیا"۔ "ہوں یہ کیا کرتے ہو"۔ یہ دونوں لفظ کبھی مکرر بھی آتے ہیں۔ جیسے ایک شاعر اپنے دل سے کہتا ہے ؎

ہیں ہیں یہ کیا تجھے دل غمناک ہو گیا	جل بھن کے اس طرح سے جو تو خاک ہو گیا
زائل یہاں تک اب ترا ادراک ہو گیا	گستاخ اتنا۔ ایسا تو بے باک ہو گیا

چاہا برا جہاں کا یہ تو نے برا کیا
منہ پیٹ دونوں ہاتھ سے ظالم یہ کیا کیا

مرزا غالب

ہاں کھائیو مت فریبِ ہستی	ہر چند کہیں کہ ہے نہیں ہے۔

حالی

کل کبک سے چمن میں یہ کہتا تھا ایک زاغ	دیکھ اس خرام ناز پہ اتنا نہ کر دماغ

دوسرے مصرع میں تین تاکیدیں ہیں۔ کبھی تاکید اوّل ہے۔ زنہار تاکید ثانی۔ بھول کر تاکید ثالث

"دیکھنا کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو"

"میں نے محمود کو مطلق نہیں دیکھا" "دو کسی سے مطلقًا بات چیت نہ کرو" شعر

مرے طالع کی وہ گردش ہے جس سے	فلک نے بھی قرار اصلا نہ پایا

زنہار کبھی اثبات کی تاکید کے لئے بھی آتا ہے مرزا غالب

اے تازہ واردانِ بساطِ ہوائے دل	زنہار اگر تمہیں ہوس نائے و نوش ہے

ہو بہو اور بعینہٖ اور عین میں تشبیہ کی تاکید کے لئے آتے ہیں
کبھی لے دے کے بھی تاکید کے مقام پر آتا ہے۔ جیسے مسدس حالی

یہ لے دے کے ہے علم کا ان کے حاصل	اسی پر ہے فخر ان کو بین الاماثل

آپ اور خود ضمائر کی تاکید کے لئے آتے ہیں۔ جیسے میں خود گیا تھا۔ اس نے آپ کہا تھا
تاکید تکرار لفظ یا جملے سے بھی آتی ہے۔ ذوق

برائی میں ہماری وہ اگر اپنا بھلا سمجھے
برا سمجھے برا سمجھے برا سمجھے برا سمجھے

بیاد فات ماضی منفی کی تاکید میں ماضی منفی کو مکرر لاتے اور اس پر پر زیادہ کرتے ہیں۔ جیسے ظفر

رات ہمسایوں نے اٹھ اٹھ کے دعائیں مانگیں	شور نالہ مرا مدھم نہ ہوا پر نہ ہوا

ناسخ

نہ سنا پر نہ سنا کیا ہی گراں گوش ہیں گل
ہو گئی نالوں سے آوازِ عنادل بھاری

کبھی تاکیدِ مزید کے لئے الفاظ تاکید بھی بڑھا دیتے ہیں جیسے مومن۔

"بخدا میں نے کچھ نہیں کہا" ، "واللہ یہی سچ ہے"

خواجہ حالی ہندوستان سے ہندوستان کی شکایت کرتے ہوئے کہتے ہیں ؎

یاد ہوگا تجھکو یاں آئے تھے ہم کس شان سے	تجھکو سوگند اپنے سنت جگ کی بتا ایمان سے

واؤ صرف عربی لفظوں پر آتا ہے۔ اور بائے مفتوحہ صرف فارسی الفاظ پر عربی میں بائے قسمیہ مکسور ہوتی ہے۔ جیسے باللہ۔ مگر اردو میں باللہ جدا گانہ نہیں بولا جاتا اس کے پہلے واللہ ضرور ہوتا ہے۔ جیسے **شعر**

خدائی بدل جائے واللہ باللہ	اگر ہم سنور جائیں اتنے بگڑ کر

مگر ضرور نہیں کہ واللہ کے ساتھ باللہ بھی ہو۔ ایک اور لفظ بھی ہے۔ حاشا اللہ اس کے معنی تو ہیں کہ خدا پاک ہے۔ یعنی یہ لفظ عربی کے اعتبار سے سبحان اللہ کا ہم معنی ہے مگر مواقع استعمال اردو میں مختلف ہیں۔ دلی کی عورتیں جیسا کہ مولوی نذیر احمد صاحب لکھتے ہیں اب ایسے موقع پر حاشا اللہ بولتی ہیں جس میں ایک شائبہ قسم کا بھی پایا جاتا ہے۔

تاکید کے حرف

وہ حرف جن سے کلام میں زور آتا ہے۔

ضرور۔ ضرور بالضرور۔ مقرر۔ ہرگز۔ کبھی۔ زنہار۔ بھول کر۔ کانوں کان مطلق۔ مطلقاً۔ اصلا۔ سب۔ سب کے سب۔ سبھی۔ تمام۔ کل۔ کلہم۔ سراسر۔ سراپا۔ سرتاپا۔ سربسر۔ بھر۔ ہو بہو۔ بعینہٖ عین مین۔ آپ۔ خود۔ ان میں ہرگز۔ کبھی۔ زنہار۔ بھول کر۔ کانوں کان۔ مطلق۔ مطلقاً اصلا۔ صرف نفی کی تاکید کے لئے آتے ہیں **حالی**

تذکرہ دہلی مرحوم کا اے دوست نہ چھیڑ	نہ سنا جائے گا ہم سے یہ فسانہ ہرگز

مولوی نذیر احمد صاحب لکھتے ہیں۔

میری سنو اگر نہیں سمع قبول کر	غفلت کبھی نہ کیجیو زنہار بھول کر

نونِ غنّہ سے بدل جاتی ہے۔ جیسے ہمیں۔ تم کے ساتھ ایک ہائے مخلوط بھی زیادہ کرتے ہیں۔ جیسے تمہیں۔ **غالب**

یہ کہہ سکتے ہو ہم دل میں نہیں ہیں پر یہ فرماؤ   کہ جب دل میں تمہیں تم ہو تو آنکھوں سے نہاں کیوں ہو

کبھی تم کے ساتھ ہی واقع ہوتا ہے تو ہی کی ہ کو صرف ہائے مخلوط سے بدل دیتے ہیں۔ جیسے تمھی۔

ہمارے زمانے کے بعض اہلِ زبان ہم اور تم کے ساتھ ہی آئے تو اس میں کچھ تغیر نہیں بھی کرتے۔ اور ہم ہی اور تم ہی کہتے ہیں۔

وہ کے ساتھ ہی آئے تو ایک ہ حذف ہو جاتی ہے۔ اور کبھی نظم میں قائم بھی رہتی ہے دونوں کی مثالیں دیکھو۔ **مومن**۔

نہیں اس کے خواں سے کوئی تلخ کام		وہی اشتہا بخشتے وہ ہی طعام		

اب۔ جب۔ تب۔ کب۔ سب کے ساتھ ہی آئے تو وہ ہائے مخلوط ہو کر بولی جاتی ہے۔ جیسے ابھی۔ جبھی۔ تبھی۔ کبھی۔ سبھی۔

کبھی دو منفی جملوں میں ہی اس طرح استعمال کرتے ہیں۔ "نہ حامد ہی آیا نہ محمود"۔ ایسے موقع پر ہی تاکید کے لئے آتا ہے۔ ناواقف لوگ دوسرے جملے میں حرفِ نفی کے ساتھ ہی بھی زیادہ کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں نہ حامد آیا نہ ہی محمود۔ یہ غلط ہے بعض پہلے جملے میں حرفِ نفی اور ہی کو اکٹھا کر دیتے اور یوں بولتے ہیں۔ نہ ہی حامد آیا اور نہ ہی محمود۔ یہ بھی غلط ہے

قسم کے حرف

قسم۔ الف۔ ب۔ واؤ۔ سوگند۔

"خدا کی قسم میں نے زید کو نہیں مارا" ع

حقا کہ خداوند ہے تو لوح و قلم کا

کی دعوتوں میں شامل ہو جاؤں تو بچا ہاتھ دھو رکھو۔ گھسنا تو ملنے ہی کا نہیں۔"

(تنہا) نواب سید محمد خاں رند

پابندیہ مرغِ جاں تنہا نہ قفس کا ہے		پھندا ابھی تو گردن میں اِک تارِ نفس کا ہی

(بس) مولوی نذیر احمد صاحب اپنی نسبت کہتے ہیں شعر

القصہ میں عجب عبث ہیچکارہ ہوں
بس اتنے کام کا ہوں کہ لکچر دیا کروں

(ہی) ذوق۔

رہتا سخن سے نام قیامت تلک ہے ذوق
اولاد سے تو ہے یہی دو پشت چار پشت

کبھی ایک ہی حصر کا کام دیتا ہے۔ جیسے حالی

رہا دین باقی نہ اسلام باقی		اِک اسلام کا رہ گیا نام باقی

اک یہاں جینے سے بیزار ہمیں ہیں یارب
یا اِسی طرح سے سب عمر بسر کرتے ہیں

فائدہ۔ نثر میں ہی فاعل اور علامتِ فاعل اور مفعول اور علامتِ مفعول اور مجرور اور جار کے بیچ میں آتا ہے۔ جیسے زید ہی نے کہا تھا عمر ہی کو مارا تھا۔ مرزا غالب

رگوں میں دوڑنے پھرنے کے ہم نہیں قائل
جب آنکھ ہی سے نہ ٹپکا تو پھر لہو کیا ہے

لیکن جب ضمیر میں فاعل واقع ہو تو نے علامتِ فاعل پہلے آتی ہے اور ہی پیچھے۔ جیسے میں نے ہی دیا تھا میں نے ہی لے لیا۔"

ضمائر کے ساتھ ہی واقع ہو تو کبھی اُس کی ہ حذف ہو جاتی ہے۔ جیسے اُسی نے کہا تھا اُسی کو کہا تھا۔ کبھی ہا سے مخلوط سے بدل جاتی ہے۔ جیسے تجھی کو مجھی کو۔ کبھی ہی بلستِ مشدد اور

تب نازکرا نمانگی اشک بجا ہے	جب لخت جگر دیدۂ خونناب میں آوے

"اس واسطے" اور "اس لیئے" اور "اسی واسطے" اور "اسی لیئے" چونکہ کی جزا میں آتے ہیں۔ کبھی نظم میں دو شرطیں پہلے بیان کرتے ہیں اور ان کی جزائیں اسی ترتیب سے بعد مرزا اسد اللہ خاں غالبؔ ایک قصیدے میں لکھتے ہیں ؎

تو آب سے گر سلب کرے طاقت سیلاں	تو آگ سے گر دفع کرے تاب شرارت
ڈھونڈے نہ ملے موجۂ دریا میں روانی	باقی نہ رہے آتش سوزاں میں حرارت

یہاں دوسرے شعر کا پہلا مصرع شعر اول کے مصرعِ اول کی جزا ہے۔ اور دوسرا مصرع مصرعِ ثانی کی

شمول و شرکت کے حرف

بھی۔ نیز

"زید بھی آیا اور عمرو بھی" "یہ بھی لو اور وہ بھی" "نیز یہ امر قابل ذکر ہے" کبھی ایک جملے میں نیز اور بھی دونوں آجاتے ہیں۔ ایسے جملے میں عطف کا واؤ اکثر حذف ہوجاتا ہے۔

حصر و خصوصیت کے حرف

ہی - صرف - محض - اکیلا - فقط - نرا - تنہا - بس - یہی - خالی -

(ہی) آسمان و زمین کا پیدا کرنے والا خدا ہی ہے۔

(صرف) ہم صرف خدا کی عبادت کرتے ہیں۔

(محض) دنیا محض طلسم حیرت ہے۔

(اکیلا - فقط - نرا) توبۃ النصوح میں کلیم اپنے چھوٹے بھائی سے کہتا ہے "اب اکیلے سر منڈانے سے کیا ہوتا ہے۔ ڈھیلا ڈھالا کرتہ پہن۔ گھٹنوں تک کا پائجامہ بنا۔ پنج آیت کے واسطے دو چار صورتیں یاد کر۔ اور رہ جاتا ہے کہ فقط امی کو خون لگا کر شہیدوں میں داخل ہو۔ نرا سر منڈا کر بریانی

غالبؔ

رگ و پے میں جب اُترے زہرِ غم تب دیکھیے کیا ہو	ابھی تو تلخیِ کام و دہن کی آزمائش ہے

تو جزا میں آتا ہے۔ جیسے **شعر**

اُڑائے طرز نالے کے جو اک دن تیرے محزوں سے	سو اب تک سنبلے منقارِ طوطی سُرخ ہے خوں سے

لیکن۔ ولیکن۔ ولے۔ مگر۔ پر۔ پہ۔ اِلّا۔ تو بھی۔ پھر بھی۔ یہ حروف اگرچہ۔ اگر چہ ہر چند۔ گو۔ گو کہ کی جزا میں آتے ہیں۔ جیسا کہ اکثر حروف کی مثالیں حروفِ شرط میں بیان ہو ئیں

تو بھی کی مثال سنو **مفتی صدرالدین خاں آزردہ**

مر کر بھی ہمارا دلِ بیتاب نہ ٹھیرا	کشتہ بھی ہوا تو بھی یہ سیماب نہ ٹھیرا

تو اگر کی جزا میں آتا ہے۔ جیسے "اگر کوئی بادشاہ ہوا تو کیا۔ اور اگر گدا ہوا تو کیا" "اگر تو ڈرنا کر تو خدا کے غضب سے ڈر"

بعض اوقات جبکہ ایک بات حقیقت میں دوسری بات پر موقوف نہیں ہوتی اور کلام کو شرط و جزا کی صورت میں لاتے ہیں تو ایسے موقع پر حرفِ جزا تو آتا ہے۔ یہ حرفِ جزا دو مخذوف جملوں پر آتا ہے۔ اور ان کے بعد ایک اور جملہ بطور تاکید آتا ہے۔ جیسے توبۃ النصوح میں نصوح کہتا ہے "میں اس گھر کی فکر میں ہوں جہاں مجھ کو ہمیشہ رہنا ہے۔ دنیا کا گھر چند روزہ ہے آج اُجڑا تو اور کل اُجڑا تو۔ ایک نہ ایک دن اُجڑے گا ضرور"

تو پھر کی مثال بھی سنو **شعر**۔

نہ تھا تحمل اگر اس کے ناز کا تو پھر	الم فریفتہ کیوں ایسے نازنیں کے ہوئے

جزا مقدم ہو تو حرف شرط واجب الحذف ہوتا ہے۔ جیسے **غالبؔ**۔

نہ سنو گر بُرا کہے کوئی روک دو گر غلط چلے کوئی	نہ کہو گر بُرا کرے کوئی بخش دو گر خطا کرے کوئی

مگر تب مستثنیٰ ہے۔ جیسے **شعر**

موت نے کر دیا ناچار وگرنہ انساں
ہے وہ خود بیں کہ خدا کا بھی نہ قائل ہوتا

ہم کسی پہلو اِسے غم سے تہی پاتے نہیں
ورنہ کس کس ڈھب دلِ نالاں کو بہلاتے نہیں

پچھلے چاروں حروف (یعنی نہیں، نہیں تو۔ وگرنہ۔ ورنہ) کا مفصل حال جملۂ شرطیہ میں بیان ہو چکا۔

کبھی باوجودے بھی اگرچہ کے معنی دیتا ہے۔ جیسے۔ شعر

باوجودے کہ پر و بال نہ تھے آدم کے
واں پہ پہنچا کہ فرشتوں کا بھی مقدور نہ تھا

فائدہ کبھی قائل اگر بول کر اپنی یقینی بات کو مشکوک کر دیتا ہے۔ مثلاً کوئی مسلم یہ کہے کہ "اگر خدا ہے تو ظالموں کو ضرور سزا دے گا" یہاں خدا کے ہونے کو جو متکلم کے نزدیک ایک یقینی بات ہے مشکوک کر دیا ہے۔ یا جیسے کوئی گرفتارِ الم درازیٔ شبِ غم سے گھبرا کر کہے کہ "اگر صبح ہو جائے تو جی اُٹھوں"۔ حالانکہ اِس کو صبح ہونے کا یقین ہے۔

بعض اوقات کوئی کام حقیقت میں دوسرے پر موقوف نہیں ہوتا۔ گر عبارت میں شرط و جزا کی صورت میں آتا ہے۔ جیسے "خدا اپنے فضل و کرم سے پورا کرے تو ارادہ یہ ہے" اس فقرے میں پہلا جملہ شرط ہے اور دوسرا جزا۔ مگر ارادے کا ہونا پورا کرنے پر موقوف نہیں بلکہ پورا کرنا ارادے کے ہونے پر موقوف ہے۔ کیونکہ پورا کرنا تو اُسی صورت میں ہوگا جب ارادہ کیا جائے۔ اور جب ارادہ ہی نہ کیا جائے تو پورا کیا ہوگا۔

جزا کے حرف

وہ حرف جو جزا کے جملے پر آتے ہیں۔

تو۔ تب۔ سو۔ لیکن۔ ولیکن۔ ولے۔ مگر۔ پر۔ پہ۔ الاّ۔ تو (بفتح تا) تو بھی۔ پھر۔ تو پھر بھی۔ تاہم۔ اس لیے۔ اس واسطے۔ اسی لیے۔ اسی واسطے۔

تو۔ اگر۔ گر۔ جو۔ جب۔ جبکہ کی جزا میں آتا ہے۔ تب اکثر جب کی جزا ہیں۔

درد دل از بس طبیب سے نہاں رکھتے ہیں ہم
شمع آسا نبض زیرِ استخواں رکھتے ہیں ہم

اعظم خاں اعظم

جب تک کہ نہ چھڑکیں گے گلاب آپ وہ آکر
اس غش سے کبھی ہوش میں آنے کے نہیں ہم

مصحفی

جس وقت تک اور تا وقتیکہ جب تک کہ ہم معنی ہیں اور نثر میں آتے ہیں۔ تا صرف نظم میں آتا ہے اور جب تک کے معنوں میں۔ ذوق ایک قصیدۂ دعائیہ میں کہتے ہیں ؎

بخار ارض سے تا ابر ہو اور ابر میں پانی
زمیں میں کان ہو اور کان میں ہو جوہر کانی
رواں پانی سے تا دریا ہو اور دریا کو طغیانی
پئے جوہر ہو قیمت اور قیمت کو فراوانی
تری شمشیر جوہر دار میں نصرت کا جوہر ہو
ترے قبضے میں بحر پُر گہر ہو کانِ پُر زر ہو

ذوق کرتا ہے ثنا ختم دعا پر اس طرح
ہووے ہر سال مبارک تجھے عیدِ رمضاں
تا کہ ہوں ارض و سما دونوں طبق زیرِ طبق
اور دشمن کو رہے تیرے سدا رنج و قلق

از آنجا کہ اور ہرگاہ نثر میں آتے ہیں اور چونکہ کے معنوں میں۔ ایکٹ نمبر ۵ ۱۸۹۸ء کے شروع میں لکھا ہے "ہرگاہ یہ امر قرینِ مصلحت ہے کہ قوانینِ متعلقۂ ضابطۂ فوجداری مجموعہ و ترمیم کیے جائیں۔ لہذا اس کی رو سے حسبِ ذیل حکم ہوتا ہے"

خواہ کتنی ہی دقتیں پیش آئیں مگر ہم راہِ خدا میں ضرور کوشش کریں گے۔ مصرع

کیجیے ہمارے ساتھ عداوت ہی کیوں نہ ہو

میں ہجر میں مرنے کے قریں ہو ہی چکا تھا
تم وقت پہ آپہنچے نہیں ہو ہی چکا تھا

ذوق

نہیں تو اکثر نثر میں آتا ہے۔ ایک بیت بھی سن لو۔ بیت

ملا اُن کو مجھ سے تو میرے خدا
نہیں تو مرا جی ٹھکانے لگا۔

حالی

جو نہیں کان میں حق کی آواز آئی
لگا کرنے خود اُن کا دل رہنمائی

مومن

زندہ نہ ہوا ہائے دلِ مُردہ اگرچہ
تھا شورِ قیامت سے فزوں ولولہ اپنا

ناسخ

ہر چند ہوں پیر اور سر پہ ہے اجل
تس پر نہیں پیٹ کے سوا فکرِ عمل
ہے رشتۂ عمر مختصر سا لیکن
شیطان کی آنت ہے مرا طولِ امل

مومن

ہر چند کہ قول ناصحوں کا
کچھ تلخ نہ تھا ولے نہ بھایا

مقتول

ہو گیا گو ہلال ابرو سا
پردہ اندھا کہاں سے لائے آنکھ

گو بظاہر خوش ہوں لیکن تلخکامی کو نہ پوچھ
میں سراپا نقشِ زیبا ہوں مگر خنظل میں ہوں
تیرے تیروں نے کیا گو کہ مجھے چھلنی سا
چھانتا ہوں ترے کوچے کی مگر خاک ہنوز

غالب

بسکہ روکا میں نے اور سینے میں اُبھریں پے بہ پے
میری آہیں بخیۂ چاکِ گریباں ہو گئیں

مومن

از بسکہ ثبت نامہ ہے سوزِ تپِ دل
قاصد کا ہاتھ ہے یدِ بیضا کلیم کا

غالب

مشکل ہے زبس کلام میرا اے دل
سن سن کے اسے سخنورانِ کامل
آساں کہنے کی کرتے ہیں فرمائش
گویم مشکل وگر نہ گویم مشکل

جس جملے پر حرفِ شرط آتا ہے، وہ شرط کہلاتا ہے اور دوسرا جملہ جزا۔
اگر۔ گر۔ جو۔ جب جب۔ جس وقت۔ جس دم۔ چونکہ۔ جوکہ۔ جبکہ۔ جوہیں۔ جوں جوں۔
اگرچہ۔ ہرچند۔ ہرچندکہ[1]۔ گو۔ گوکہ۔ بسکہ۔ ازبسکہ[2]۔ بس۔ ازبس۔ جب تک۔ جس وقت تک۔
تاوقتیکہ۔ تا۔ تاکہ۔ ازآنجا۔ ہرگاہ۔ خواہ۔ کیوں نہ۔ نہیں۔ نہیں تو۔ وگرنہ۔ ورنہ۔ یہ
سب حروفِ شرط ہیں **شعر**

خاکساری سُرمہ ساں شیوہ کرے گا تو اگر		دیدۂ اہلِ نظر میں تیرا گھر ہو جائے گا۔

غالب

میری قسمت میں غم گر اتنا تھا		دل بھی یا رب کئی دیے ہوتے

جو۔ جب اور اگر اور چونکہ تینوں کے معنوں میں آتا ہے۔ **حالی**۔

نہ ٹلتے تھے ہرگز جو اُڑ بیٹھتے تھے		سلجھتے نہ تھے جب جھگڑ بیٹھتے تھے

ذوق

اس جبر پر تو ذوقِ بشر کا یہ حال ہے		کیا جانیں کیا کرے جو خدا اختیار دے
پھر جاتی ہے سینے کو مری آہ بھی اُلٹی		برگشتہ جو قسمت ہے مری بخت نگوں ہے

یعنی چونکہ میری قسمت برگشتہ اور بخت نگوں ہے، اس لئے میری آہ بھی سینے کو اُلٹی پھر جاتی ہے۔ **مقتول**۔

وہ غیرت خور ہی تو کہ لکھ کر ترے اوصاف		قرطاس سے جب خاک کو جھٹکا[3] تو جھڑی دھوپ

"چونکہ خدا کو ایسا کرنا منظور نہ تھا، نہ ہوا۔"
جوکہ چونکہ کی جگہ بولتے ہیں۔ اور بہت کم ۵

جبکہ تجھ بن نہیں کوئی موجود		پھر یہ ہنگامہ اے خدا کیا ہے؟

[1] کاف زائد ہے
[2] از زائد ہے۔
[3] جن دنوں میں بلاٹنگ پیپر کا رواج نہ تھا روشنائی خشک کرنے کے لئے کاغذ پر خاک ڈال کر جھٹک دیتے تھے۔ اب بھی بعض لوگوں کا یہی عمل ہے۔

بعض اوقات لفظ یعنی بھی حرفِ بیان کا کام دیتا ہے جیسے ۔ مقتول

نیاز و ناز کے معنی یہ ہیں یعنی وہ ہنس ہنس کر		جفا کرتے رہے اور ہم بامید وفا روئے

علت کے حرف

وہ حرف جو کسی امر کا سبب ظاہر کریں ۔

کیونکہ ۔ اس لئے کہ ۔ اس واسطے کہ ۔ کہ ۔ تاکہ ۔ کہ تا ۔ تا ۔

علم حاصل کرو کیونکہ (یا "اس لئے کہ" یا "اس واسطے کہ") علم ہی فلاحِ دارین کے حاصل ہونے کا ذریعہ ہے ۔ بیت

کرو کچھ کہ کرنا ہی کچھ کیمیا ہے		مثل ہے کہ کرتے کی سب بدیا ہے

"زید خوب محنت کرتا ہے" "تاکہ امتحان میں کامیاب ہو" ذوق ۔

اسی باعث سے دایہ طفل کو افیون دیتی ہے		کہ تا ہو جائے لذت آشنا تلخی دوراں سے

غالبؔ

لکھتا ہوں اسدؔ سوزشِ دل سے سخن گرم ۔		تا رکھ نہ سکے کوئی مرے حرف پہ انگشت

جن جملوں پر حرفِ علت واقع ہوتے ہیں وہ علت کہلاتے ہیں اور پہلے جملے معلول ۔

کبھی یعنی بھی حرفِ علت کا کام دیتا ہے ۔ جیسے ۔ شعر

غریقِ گریہ خوں نہیں رہا نہ کر مومنؔ ۔		لباس یعنی پہنتے نہیں سلماں سرخ

شرط کے حرف

جب کسی کام پر کسی کام کو موقوف کرتے ہیں تو موقوف علیہ کے آغاز میں جو حرف لاتے ہیں وہ حروفِ شرط ہیں ۔ جیسے "اگر علم پڑھوگے تو عزت پاؤ گے" اِس فقرے میں عزت پانے کو علم پڑھنے پر موقوف کیا گیا ہے ۔ اور اس کے شروع میں اگر حرفِ شرط ہے

کی بھی نفی کر دیتے ہیں۔ جیسے۔ بیت

حلال آدمی کو ہے کھانا نہ پینا	نہ ہو ایک جب تک لہو اور پسینا۔

یعنی نہ کھانا حلال ہے نہ پینا۔ اور یہ مطلب نہیں کہ کھانا تو حلال ہے لیکن پینا حلال نہیں بیت

پہننے کو کپڑا نہ کھانے کو روٹی	جو تدبیر الٹی تو تقدیر کھوٹی

یعنی نہ پہننے کو کپڑا ہے نہ کھانے کو روٹی۔

کبھی نہ کلام میں زائد آتا ہے اور نہایت فصیح معلوم ہوتا ہے۔ جیسے شعر

اے مصحفی بتوں میں ہوتی ہے یہ کرامت	دل پھر گیا نہ تیرا آخر خدا سے دیکھا

غالب

کیا فرض ہے کہ سب کو ملے ایک سا جواب	آؤ نہ ہم بھی سیر کریں کوہِ طور کی

کبھی تھوڑا ہی بھی نفی کے معنی دیتا ہے۔ جیسے کوئی ایسا تھوڑا ہی کرتا ہے یعنی نہیں کرتا۔

کبھی کیا بھی حرف نفی کا کام دیتا ہے۔ جیسے۔ شعر۔

صحبتِ گل ہے فقط بلبل سے کیا بگڑی ہوئی	آج کل سارے چمن کی ہے ہوا بگڑی ہوئی۔

یعنی فقط صحبتِ گل ہی بلبل سے بگڑی ہوئی نہیں۔

کبھی کم بھی نفی کے معنے دیتا ہے۔ جیسے مومن۔

سب تا بہ فتنہ چونک پڑے تیرے عہد میں	اک میرا بخت تھا کہ وہ بیدار کم ہوا۔

یعنی بیدار نہ ہوا۔ اور یہ مطلب نہیں کہ تھوڑا سا تو بیدار ہوا اور بہت سا سوتا رہا۔ شہیدی

آبِ صاف نہر سے لیتے ہیں کام اپنا نکال	کم مروج ہے جو انانِ چمن میں آئینہ

حرفِ بیان

کہ۔ یہ نہی کافِ بیانیہ ہے جس کا حال مبین اور بیان کے بیان میں مذکور ہوا
یہ کاف سر جملہ آتا ہے۔ اور بے اس کے کلام پھیکا سا ہوتا ہے۔

بیچارہ پردیس میں ہے وہ بے علم اور نالائق ہے۔ حاشا وکلا میں نفی کی تاکید ہوتی ہے۔ جیسے کیا خالد مکروفریب سے کام لیتا ہے۔ حاشا وکلا (یعنی ہرگز نہیں ہرگز نہیں) بے اور نا دونوں فارسی لفظ ہیں۔ اور ان میں فرق یہ ہے کہ بے اسم ذات اور مصدر پر آتا ہے۔ اور نا اسم صفت پر جیسے۔ بے قرار۔ بے تاب۔ بے صبر۔ بے ہوش۔ بے پناہ۔ بے کس۔ بے وقوف۔ بے تمیز بے انصاف۔ بے چین۔ بے کل۔ نامناسب۔ ناقابل۔ نامنصف۔ نالائق۔ مگر کبھی نا بھی مصدر وغیرہ پر آجاتا ہے۔ جیسے نافہم۔ ناامید۔ غالب

کچھ تو دے اے فلکِ ناانصاف		آہ و فریاد کی رخصت ہی سہی	

ر نظم

سنی جو بشیر اُن میں صفت رحیمی کی		قبول ہونے کو ہم سے بھی ناقبول چلے	

بے دوسرے لفظ پر آکر اسم صفت کے معنے پیدا کرتا ہے۔ اور نا جب بے کی جگہ مستعمل ہوتا ہے تو وہی یہی معنی پیدا کرتا ہے۔ جیسا کہ امثلۂ مذکورہ سے ظاہر ہے۔

اُردو الفاظ پر بھی بے آجاتا ہے۔ جیسے بے سمجھ۔ بے جوڑ۔

کبھی محاورے میں نہ مساوات کے معنی دیتا ہے۔ مثل ہے "گھر کی آدھی نہ باہر کی ساری" یعنی گھر کی آدھی روٹی باہر کی ساری روٹی کے برابر ہے۔ خواجہ الطاف حسین حالی مدوجزر اسلام میں زمانۂ حال کے واعظوں کی تعلیم کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں ۔

کوئی چیز سمجھو نہ اپنی بری تم حمایت میں ہو جبکہ اسلام کی تم	رہو بات کو اپنی کرتے بڑی تم تو ہو ہر بدی اور گنہ سے بری تم

بدی سے نہیں مومنوں کو مضرت تمہارے گناہ اور نہ اوروں کی طاعت

یعنی تمہارے گناہ اور دوں کی طاعت کے برابر ہیں۔

[illegible] مقصود ہوتی ہے تو بسا اوقات حرف نفی دوسرے لفظ پر لاکر پہلے

اس شعر میں لفظ مستثنٰی تک تو خاصی تعریف ہے لیکن "ولیکن منقطع" کے کہنے سے کمال مذمت ہوگئی۔ کیونکہ اس کے یہ معنی ہوگئے کہ خدمتگار خاں تو آدمیوں کی جنس یعنی انسانوں میں سے ہی نہیں اور کچھ عجیب نہیں کہ شاہ صاحب نے اس کو جنس انسان سے خارج کر کے اپنے ذہن میں ایک دوسری جنس کی تعیین کر دی ہو اور یہ مراد رکھی ہو کہ خدمتگار خاں آدمی نہیں گدھا ہے۔

اضافت کے حرف

جن سے دو کلموں میں لگاؤ پایا جائے۔

کا۔ کے۔ کی۔ ان کا مفصل بیان مضاف و مضاف الیہ کی بحث میں دیکھو۔ ہمارے نزدیک ان کو حروفِ اضافت کی جگہ علاماتِ اضافت کہنا چاہیے۔ اس لئے کہ جس طرح را۔ رے۔ ری اور نا۔ نے۔ نی۔ اضافت کی علامتیں ہیں اسی طرح یہ ہیں اور معلوم ہے کہ حرف ہمیشہ ایک جداگانہ لفظ ہوتا ہے۔ اور یہ الفاظ سے علیحدہ نہیں ہوتیں۔

نفی کے حرف

نون مفتوح جو ہائے مختفی کے ساتھ مل کر نہ ہو جاتا ہے۔ نے۔ نہیں۔ مت۔ الفِ مفتوح اَن نونِ مکسور۔ کافِ مضموم بائے موحدہ مفتوح پر بے۔ نا۔ حاشا و کلا

نے فارسی لفظ ہے۔ اردو میں صرف نظم میں آتا ہے۔ اور جب جملے میں یہ آتا ہے اس کے ساتھ ہمیشہ ایک اور جملہ ہوتا ہے جس میں نہ حرفِ نفی آتا ہے شعر

نے تیر کماں میں ہے نہ صیاد کمیں میں	گوشے میں قفس کے مجھے آرام بہت ہے

نہ زید نے کچھ نہیں کہا۔ خدا کے سوا کسی سے مت ڈرو۔ موت کا وقت اٹل ہے ۔۔ وہ اَن پڑھ ہے۔ بڑا ہی نڈر شخص ہے۔ نہتا کیا کر سکتا ہے۔ کُڈھب بات ہے۔ زید بدکیسی ہے

[illegible]

[illegible]	[illegible]

[illegible]

[illegible]	[illegible]

[illegible]

[illegible]	[illegible]

[illegible]

[illegible]	[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

مسدس حالی

پھسلتے ہیں سانچے میں ڈھلنے کی خاطر	لگاتے ہیں غوطہ اچھلنے کی خاطر
ٹھہرتے ہیں یا دم لے کے چلنے کی خاطر	وہ کھاتے ہیں ٹھوکر سنبھلنے کی خاطر

یعنی خاطر سے۔ ے

لائی حیات آئے قضا لے چلی چلے	اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے

یعنی نہ اپنی خوشی سے آئے نہ اپنی خوشی سے چلے۔

فائدہ۔ کہیں بیان ہو چکا ہے کہ حرف نہ مسند الیہ ہوتا ہے نہ مسند۔ مگر اس قسم کے جملوں میں کہ سے حرف جر ہے تم کہو گے کہ یہاں سے مسند الیہ ہو گیا۔ لیکن اس کا جواب تم خود ہی سمجھ سکتے ہو کہ یہاں سے نے معنوں کے لحاظ سے کچھ کام نہیں دیا بلکہ سے سے مراد سے کا لفظ ہے اور سے بتاویل لفظ مسند الیہ اور اس تاویل سے تمام حروف مسند الیہ ہو سکتے ہیں۔

تنبیہہ۔ یاد رکھنا چاہیے کہ عربی حروفِ جر فارسی یا اُردو الفاظ پر نہیں آ سکتے بعض لوگ "فی زمانہ" کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ اور مراد یہ ہوتی ہے کہ اس زمانہ میں۔ اول تو یہ ترکیب ہی غلط ہے۔ دوسرے ان معنوں میں غلط در غلط۔ عربی میں ایسے موقع پر کہتے ہیں "فی زماننا ہٰذا" یعنی ہمارے اس زمانہ میں۔ بہتر یہی ہے کہ یہ لفظ اسی طرح بولا جائے۔ لیکن اگر ہٰذا کا لفظ حذف بھی کر دیا جائے تو فی زماننا بولنے میں بھی چنداں قباحت نہیں۔ مگر فی زماننا کی جگہ فی زمانہ بولنا لفظاً و معنًا غلط ہے اور کسی طرح صحیح نہیں۔

عطف کے حرف

جو دو کلموں یا دو جملوں کو باہم ملائیں یا ایک حکم میں شامل کریں۔ اور۔ و۔ پھر۔ کر۔ کے۔ اور اور دو حرف وصل کلمات کے لئے آتے ہیں۔ جیسے "زید اور عمرو آئے" یہاں

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]	[illegible]
([illegible])	[illegible]
[illegible]	[illegible]
([illegible])	[illegible]
[illegible]	[illegible]
([illegible])	
[illegible]	[illegible]
([illegible])	
[illegible]	[illegible]
([illegible])	
[illegible]	[illegible]
([illegible])	

[illegible]

(۱) سے ابتدا کے لیے آتا ہے۔ جیسے صبح سے شام تک۔ دلی سے کلکتہ تک۔

(۲) تبعیض کے لیے۔ جیسے زید شریف قوم میں سے ہے۔

(۳) سَبَبِیَّت کے لیے۔ مقتول

لاغری سے نہیں میرا کوئی جز نام و نشاں	مثل عنقا دہنِ خلق میں افسانہ ہوں

(۴) استعانت کے لیے۔ جیسے تلوار[1] سے ملک فتح کیا۔ چاقو سے قلم بنایا۔

(۵) تعدیہ کے لیے۔ جیسے میں نے حامد سے کتاب لکھوائی۔

(۶) بجائے علامتِ مفعول (کو) جیسے میں نے زید سے کہا یا خالد سے پوچھا۔

(۷) ساتھ کے معنوں میں۔ جیسے روٹی سالن سے کھائی حامد نے محمود سے بہت اچھا سلوک کیا۔

(۸) بیان کے لیے جیسے احمد کو کھانے پینے۔ پیسے۔ کپڑے سے کچھ کمی نہیں۔

(۹) تفضیل کے لیے۔ جیسے زید خالد سے عالم ہے۔

(۱۰) انتزاع و استبعاد یعنی علیحدگی اور دوری کے لیے۔ جیسے ع

تیر نکلا جو کماں سے تو گریزاں نکلا

کبھی سے اور تک دو متضاد چیزوں پر آتے اور شمول کا فائدہ دیتے ہیں۔ جیسے عالم سے لیکر جاہل تک اور بادشاہ سے لے کر فقیر تک۔ کا تبعیض کے لئے۔ جیسے یہ بھی انہیں میں کا ہے۔ یعنی انہیں میں سے ہے۔

تک۔ تلک۔ انتہا کے لیے۔ جیسے بارہ بجے سے دو بجے تک۔ لاہور سے دلی تک۔

کبھی بجائے علامتِ مفعول۔ شیفتہ

ایسے کریم ہم ہیں کہ دیتے ہیں بے طلب	پہنچا دو یہ پیام اجلِ جاں طلب تلک

[1] پہلے زمانہ میں ایسے فقرے حقیقی معنوں میں مستعمل ہوتے تھے۔ کیونکہ اگلے بادشاہ تلوار کے زور سے ملک فتح کیا کرتے تھے لیکن زمانِ حال میں مجاز ہو گئے ہیں کیونکہ توپ اور بندوق نے تلوار کو بیکار کر دیا ہے آج کل کرامات صرف توپ اور بندوق سے کام لیا جاتا ہے تلوار برائے نام ایک ہتھیار رہ گیا ہے ۱۲

پہلے مصرع میں فاعل محذوف ہے۔ دوسرے میں فعل۔ اصل یوں ہے کہ انھوں نے ہمارا نام زمیں پر لکھ کر مٹا دیا۔ ان کا تو یہ کھیل ہوا لیکن ہم کو خاک میں ملا دیا۔ ذوق

یاں کچھ اسباب کے ہم بندے ہی محتاج نہیں	نہ زباں ہو تو کہاں نام خدا پیدا ہو

دونوں مصرعوں کے درمیان اتنی عبارت محذوف ہے۔ بلکہ خدا کو بھی اسباب کی ضرورت ہے کیونکہ اگر۔ شعر

کہا جو میں نے وفا کرتے آئے ہیں احباب	کہا زمانے کی عادت بدلتی جاتی ہے

اصل میں یوں ہے کہ میں نے جو اپنے دوست سے کہا کہ احباب وفا کرتے آئے ہیں تو تم کو بھی وفا کرنا ضروری ہے۔ تو انھوں نے کہا کہ زمانہ کی عادت بدلتی جاتی ہے۔

فصل حروف

حروف کی تعریف پہلے گزر چکی کہ وہ اکیلا کچھ معنی نہیں دیتا مگر حقیقت میں وہ بڑے کام اور بڑے فائدے کی چیز ہے اور سچ تو یہ ہے کہ حروف کے بغیر اسم اور فعل دونوں بیکار ہیں یا نہ ہو تو کلام بے لطف بلکہ بے معنی ہو جائے۔

اُردو میں حروف مفرد با معنی نہیں ہوتے اس لئے وہ قابلِ ذکر نہیں ہیں۔ کاف جو بیان وغیرہ کے لئے آتا ہے وہ فارسی سے لیا گیا ہے۔ ایسا ہی واؤ۔ نون البتہ نفی کیلئے آتا ہے سو ان حروف کا بیان اپنے اپنے موقع پر آئے گا۔

جر کے حروف

وہ حروف جو اسم کو فعل یا مشابہِ فعل سے ملاتے ہیں۔ سے۔ کا۔ تک۔ تلک۔ اوپر۔ پر۔ پہ۔ میں۔ بیچ۔ اندر۔ درمیان۔ ساتھ۔ سمیت۔ واسطے۔ لئے۔ کو (بمعنی واسطے) ہے۔ بن۔ جز۔ بجز۔ بغیر۔ سوا۔ بدون۔ جوں۔ طرح۔ مانند۔ علاوہ۔ کے۔

ترکیب ۔ جو اسم موصول ۔ نتھرتے ہیں فعل ۔ وہ ضمیر مستتر راجع بسوئے موصول فاعل ۔ یاں ظرف متعلق بفعل ۔ فعل فاعل اور متعلق کے ساتھ مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا ۔ موصول صلہ مل کر مبتدا ۔ گدلاتے ہیں فعل ۔ وہ فاعل ۔ بھی تاکید ۔ فعل فاعل کے ساتھ مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر ۔ مبتدا خبر کے ساتھ مل کر جملہ اسمیہ ہوا ۔ اسی طرح دوسرے مصرع کی ترکیب ہے ۔ **شعر**

جو کچھ کہ ہوا ہوا کرم سے تیرے	جو کچھ ہوگا ترے کرم سے ہوگا

ترکیب ۔ جو کچھ کہ اسم موصول ۔ ہوا فعل ۔ وہ ضمیر مستتر راجع بسوئے موصول فاعل ۔ فعل فاعل کے ساتھ مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مبتدا ہوا ۔ ہوا فعل وہ ضمیر مستتر فاعل ۔ سے حرفِ جر ۔ کرم مضاف ۔ تیرے مضاف الیہ ۔ مضاف و مضاف الیہ مجرور ۔ جار مجرور متعلق بفعل ۔ فعل اپنے فاعل اور متعلق کے ساتھ مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر ہوئی ۔ مبتدا خبر کے ساتھ مل کر جملہ اسمیہ ہوا ۔ اسی طرح دوسرے مصرع کی ترکیب کرو ۔ **حالی**

جو کرتے ہیں کچھ زباں سے کہتے ہیں وہ کم	ہوتے نہیں ساتھ جمع دم اور قدم
بڑھتا گیا جس قدر کہ حسنِ گفتار	بس اُتنے ہی گھٹتے گئے کردار ہیں ہم

مقدّرات و محذوفات

کبھی نظم یا نثر میں کوئی جملہ یا لفظ حذف کر دیتے ہیں اور اس سے کلام میں کچھ خلل واقع نہیں ہوتا ۔ بلکہ ایک طرح کا لطف پیدا ہو جاتا ہے ۔ جیسے **فغاں**

میری طرف سے خاطرِ صیاد جمع ہے	کیا اُڑ سکے گا طائرِ بے بال و پر کہیں

دونوں مصرعوں کے درمیان اتنی عبارت محذوف ہے " کیونکہ جانتا ہے کہ میں بے بال و پر ہوں اور ۔

ایک خیال بند شاعر کہتا ہے ۔

لکھ کر ہمارا نام زمیں پر مٹا دیا	اُن کا تو کھیل خاک میں ہم کو ملا دیا

بہت سے ایسے مقام ہیں جہاں سوال اور جواب پیدا ہو نہیں سکتے اور پیدا ہوتے ہیں تو نہایت تکلف سے۔ اس لئے ہم ایسی تعریف کرتے ہیں جس سے ایسی دقت پیش نہ آئے۔
جملۂ مستانفہ وہ جملہ ہے جس کو جملۂ سابقہ سے معنًی تو ربط ہو اور لفظاً کچھ تعلق نہ ہو۔ جیسے شعر

پھل کچھ اے نخلِ وفا تجھ میں نہیں	جو لگائے گا تجھے پچھتائے گا

دوسرا مصرع جملۂ مستانفہ ہے۔

ترکیب۔ اے نخلِ وفا۔ ندا: منادیٰ قائم مقام جملۂ فعلیہ ہو کر ندا ہے فعلِ ناقص محذوف۔ نہیں کلمۂ نفی۔ پھل اسم۔ کچھ حرفِ تنکیر۔ موجود خبر محذوف۔ فعلِ ناقص اسم اور خبر کے ساتھ مل کر جملۂ اسمیہ ہو کر جواب ہوا ندا کا۔ ندا جواب کے ساتھ مل کر جملۂ ندائیہ ہوا۔ جو اسم موصول لگائے گا فعل۔ وہ ضمیر مستتر جو پھرتی ہے موصول کی طرف فاعل تجھے مفعول۔ فعل فاعل اور مفعول کے ساتھ مل کر جملۂ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا۔ موصول صلے کے ساتھ مل کر مبتدا۔ پچھتائے گا فعل۔ وہ ضمیر مستتر فاعل۔ فعل اور فاعل جملۂ فعلیہ ہو کر خبر ہوئی۔ مبتدا خبر کے ساتھ مل کر جملۂ اسمیہ مستانفہ ہوا۔ حالی۔

دولت نے کہا مجھ سے ہے عزتِ جہاں	فرمایا ہنر نے میں ہوں عزت کا نشاں
عزت بولی غلط ہے دونوں کا بیاں	میں بھید ہوں حق کا جو ہے نیکی میں نہاں

پچھلے تینوں مصرعے جملہ ہائے مستانفہ ہیں۔
استیناف کے معنی جدا ہونے کے ہیں۔ چونکہ جملۂ مستانفہ پہلے جملے سے جدا ہوتا ہے اس لئے اس کو مستانفہ کہتے ہیں۔

موصول اور صلہ

موصول اور صلہ کا بیان جملۂ اسمیہ کی فصل میں ہونا چاہیے تھا اس لیے کہ موصول اور صلہ مل کر ہمیشہ مبتدا ہوتے ہیں۔ اور ان کے بعد کا جملہ خبر ہوتا ہے مگر چونکہ صلہ اور خبر جملۂ فعلیہ

جملۂ تشبیہیہ

وہ جملہ ہے جو بطورِ تشبیہ جملۂ سابقہ مذکور ہو ایسے جملوں میں پہلے جملے کو جملۂ مشبہ کہتے ہیں
مولوی حالی، حکیم محمود خاں مرحوم کے مرثیے میں لکھتے ہیں ؎

مرتا تھا کامل تو کامل تر نظر آتا تھا یاں	سورج آتا تھا نکل جب چاند چھپ جاتا تھا یاں

مصرعِ ثانی میں شخصِ کامل کے مرجانے کو چاند کے چھپ جانے سے اور کامل تر کے نظر آنے کو سورج کے نکل آنے سے تشبیہ دی ہے۔

ترکیب۔ جب حرفِ شرط محذوف۔ مرتا تھا فعل۔ کامل۔ فاعل۔ فعل اپنے فاعل ملکر جملۂ فعلیہ ہو کر شرط ہوئی۔ تو حرفِ جزا۔ نظر آتا تھا فعل۔ کامل تر فاعل۔ یاں ظرفِ زمان متعلقِ فعل۔ فعل فاعل اور متعلق کے ساتھ مل کر جملۂ فعلیہ ہو کر جزا ہوئی۔ شرط جزا کے ساتھ مل کر جملۂ شرطیہ مشبہ ہوا۔ جب حرفِ شرط۔ چھپ جاتا تھا فعل۔ چاند فاعل۔ یاں ظرفِ زمان متعلقِ فعل۔ فعل فاعل اور متعلق کے ساتھ مل کر جملۂ فعلیہ ہو کر شرط مؤخر۔ نکل آتا تھا فعل۔ سورج فاعل۔ فعل فاعل کے ساتھ مل کر جملۂ فعلیہ ہو کر جزائے مقدم۔ شرط جزا کے ساتھ مل کر جملۂ شرطیہ ہو کر جملۂ تشبیہیہ ہوا کلام ماسبق کا۔

جملۂ تمثیلیہ

جو پہلے جملے کی تمثیل واقع ہو۔ پہلے جملے کو ممثل کہتے ہیں ۔ شعر

دیکھ اللہ ہے چھوٹوں کو بڑائی دیتا!
آسماں آنکھ کے تل میں ہے دکھائی دیتا

دوسرا مصرع پہلے مصرع کی تمثیل واقع ہوا ہے۔ شعر

جو کہ ظالم ہے وہ ہرگز پھولتا پھلتا نہیں	سبز ہوتے کھیت دیکھا ہے کہیں شمشیر کا

نہیں مارا فعل۔ میں فاعل۔ نے علامتِ فاعل۔ زید مفعول۔ کو علامتِ مفعول۔ فعل فاعل اور مفعول کے ساتھ مل کر جواب ہوا قسم کا۔ قسم اور جواب مل کر جملۂ قسمیہ ہوا۔

جملۂ مندوبہ

جس میں ندبہ اور مندوب ہوں۔ یہ جملہ بھی جملۂ ندائیہ کی طرح کا ہے اور اس میں ایک جملہ جوابِ ندبہ ہوتا ہے۔ جیسے "ہائے زید تو ہمیں داغِ مفارقت کیوں دے گیا" ترکیب۔ ہائے حرفِ ندبہ زید مندوب۔ ندبہ و مندوب مل کر قائم مقام جملہ فعلیہ ہو کر ندبہ ہوا۔ دے گیا فعل۔ تو فاعل۔ ہمیں مفعولِ اوّل۔ داغِ مفارقت بہ ترکیب اضافی مفعولِ ثانی۔ کیوں حرفِ استفہام۔ فعل فاعل اور مفعولوں کے ساتھ مل کر جملۂ فعلیہ ہو کر جوابِ ندبہ ہوا۔ ندبہ اور جواب مل کر جملۂ مندوبہ ہوا

جملۂ تفسیریہ

جملۂ تفسیریہ وہ جملہ ہے جس میں دوسرا جملہ بطورِ بیانِ جملۂ سابقہ واقع ہو یعنی اگر پہلے جملے میں کوئی بات وضاحت طلب ہو تو دوسرا اس کی توضیح کر دے۔ پہلے جملے کو جس کا مطلب زیادہ وضاحت و تشریح سے بیان کیا جائے مُفَسَّر (بفتحِ سینِ مشدد) کہتے ہیں اور دوسرے کو تفسیر یا مُفَسِّر (بکسرِ سینِ مشدد)

مومن	
وہ جو ہم میں تم میں قرار تھا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو	وہی یعنی وعدہ نباہ کا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

اس شعر میں دوسرا مصرعہ پہلے کی تفسیر یا بیان ہے۔ پہلے مصرع سے صرف یہ معلوم ہوتا تھا کہ مخاطب نے کوئی وعدہ کیا تھا جس کو شاعر یاد دلا رہا ہے۔ لیکن یہ معلوم نہیں ہوتا تھا کہ وہ وعدہ کیا تھا۔ دوسرے مصرع میں کھول کر بیان کر دیا کہ وہ وعدہ نباہ کا تھا۔ تو پہلا مصرع مُفَسَّر ہوا اور دوسرا تفسیر اور دونوں مل کر جملۂ تفسیریہ ہے۔

خدا منادیٰ۔ ندا اور منادیٰ مل کر قائم مقام جملۂ فعلیہ ہو کر ندا ہوئی۔ کر فعل تو ضمیر مستتر فاعل۔ کرم مفعول۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول کے ساتھ مل کر جملۂ فعلیہ ہو کر جواب ہوا ندا کا۔ ندا اپنے جواب کے ساتھ مل کر جملۂ ندائیہ ہوا۔

جملۂ اسمیہ کی مثال "اے خدا ہم تیرے فضل و کرم کے اُمیدوار ہیں"

اے خدا۔ ندا و منادیٰ قائم مقام جملۂ فعلیہ ہو کر ندا۔ ہیں فعلِ ناقص۔ ہم اسم۔ اُمیدوار مضاف۔ فضل و کرم بہ ترکیبِ عطفی مضاف۔ تیرے مضاف الیہ۔ مضاف و مضاف الیہ مل کر مضاف الیہ اُمیدوار مضاف کا۔ مضاف اور مضاف الیہ مل کر خبر۔ فعلِ ناقص اسم اور خبر کے ساتھ مل کر جملۂ اسمیہ ہو کر جواب ہوا ندا کا۔ ندا اپنے جواب کے ساتھ مل کر جملۂ ندائیہ ہوا۔

جُملۂ قسمیہ

جس میں قسم اور مقسم بہ ہوں۔ جس طرح جملۂ ندائیہ میں ایک جملہ جوابِ ندا ہوتا ہے اسی طرح جملۂ قسمیہ میں ایک جملہ جوابِ قسم[1] ہوتا ہے۔ جیسے "خدا کی قسم یہ کام میں نے نہیں کیا"

ترکیب۔ قسم کلمۂ قسم مضاف۔ خدا مقسم بہ۔ کی علامتِ اضافت۔ قسم اور مقسم بہ مل کر قسم ہوئی۔ نہیں کیا فعل منفی۔ میں فاعل۔ نے علامتِ فاعل۔ یہ اسم اشارہ۔ کام مشار الیہ۔ اشارہ اور مشار الیہ مل کر مفعول۔ فعل فاعل اور مفعول کے ساتھ مل کر جملۂ فعلیہ ہو کر جواب ہوا قسم کا۔ قسم جواب کے ساتھ مل کر جملۂ قسمیہ ہوا۔

کبھی قسم پورا جملہ ہوتا ہے اور اس صورت میں جوابِ قسم کے شروع میں ایک کاف زائد آتا ہے۔ جیسے میں خدا کی قسم کھاتا ہوں کہ میں نے زید کو نہیں مارا۔

ترکیب۔ کھاتا ہوں فعل۔ میں فاعل۔ قسم مضاف۔ خدا مضاف الیہ۔ کی علامتِ اضافت۔ مضاف اور مضاف الیہ مل کر مفعول۔ فعل فاعل اور مفعول مل کر جملۂ فعلیہ ہو کر قسم ہوئی۔ کاف زائد

[1] وہ بات جس کے لئے قسم کھائیں۔

کبھی حرفِ جزا بھی محذوف ہو جاتا ہے۔ اس بند کے پہلے مصرع اور تیسرے شعر کو دیکھو۔

جو سقّے نہ ہوں جی سے جائیں گزر سب	ہو میلا جہاں گم ہوں دھوبی اگر سب
بنے دم پہ گر شہر چھوڑیں نفر سب	جو ٹھہر جائیں مہتر تو گندے ہوں گھر سب

یہ کر جائیں ہجرت جو شاعر ہمارے
کہیں مل کے خس کم جہاں پاک سارے

یعنی اگر سقّے نہ ہوں تو سب لوگ جی سے گزر جائیں اور اگر ہمارے شاعر ہجرت کر جائیں تو سب مل کر کہیں کہ خس کم جہاں پاک۔ شرط عموماً جزا پر مقدم ہوتی ہے لیکن کبھی جزا کو شرط سے پہلے لاتے ہیں۔ مگر اس صورت میں حرفِ جزا واجب الحذف ہوتا ہے۔ باستثنائے تب کے جیسا حروفِ جزا کی بحث میں بیان ہوگا۔ خواجہ حالی کہتے ہیں **شعر**

اڑے وقت تم دائیں بائیں نہ جھانکو	سدا اپنی گاڑی کو گر آپ ہانکو
نصیحت بے اثر ہے گر نہ ہو درد	یہ گر ناصح کو بتلانا پڑے گا

مصرع: برق ہی گرتی اگر بارانِ رحمت مانگتا

شرط اور جزا کے حروف کا مفصّل حال حروف کی فصل میں لکھیں گے۔ نہیں نہیں تو۔ ورنہ۔ وگرنہ۔ یہ ایسے الفاظِ شرط ہیں جن میں فعل کی نفی پائی جاتی ہے اور کلامِ سابق کے خلاف مطلب ظاہر کرتے ہیں اور چونکہ پورے جملے کے معنی دیتے ہیں اس لئے قائم مقام جملۂ شرط ہوتے ہیں۔ جیسے "علم پڑھو ورنہ ذلیل رہوگے"

ترکیب۔ پڑھو فعل۔ تم ضمیر مستتر فاعل۔ علم مفعول۔ فعل فاعل اور مفعول کے ساتھ مل کر جملۂ فعلیہ ہوکر معطوف علیہ ہوا۔ ورنہ (جس کے یہ معنی ہیں "اگر علم نہ پڑھوگے") قائم مقام جملۂ شرط۔ رہوگے فعل ناقص۔ تم ضمیر مستتر اسم۔ ذلیل خبر۔ فعل ناقص اسم اور خبر کے ساتھ مل کر جملۂ اسمیہ ہوکر جزا ہوئی شرط کی۔ شرط جزا کے ساتھ مل کر جملۂ شرطیہ ہوکر معطوف ہوا۔ معطوف علیہ مع معطوف جملۂ عاطفہ ہوا۔ **شعر**

مضاف - عندلیب مضاف الیہ - مضاف اور مضاف الیہ مل کر مفعول سے حرف جر - باغ مجرور
جار و مجرور متعلق فعل - فعل فاعل مفعول اور متعلق کے ساتھ مل کر جملۂ فعلیہ ہوا - یارب ندا و منادیٰ
قائم مقام جملۂ فعلیہ - ہو فعل ناقص - دست ظلم مضاف اور مضاف الیہ مل کر مضاف - صیاد مضاف الیہ
کا علامت اضافت - مضاف اور مضاف الیہ مل کر اسم ہوا - خشک خبر - کہیں ظرف زماں
متعلق فعل - فعل ناقص اسم اور خبر کے ساتھ مل کر جملۂ اسمیہ ہوا جواب ہوا ندا کا - ندا جواب
کے ساتھ مل کر جملۂ فعلیہ دعائیہ ہوا - مثنوی گلزار نسیم میں بکاولی بد دعا دیتی ہے - بیت

جس کف میں ہو گل وہ داغ ہو جائے	جس گھر میں ہو گل چراغ ہو جائے

ایک اور شعر سنو اس میں دعا اور بد دعا دونوں ہیں اور دونوں جملے دعائیہ ہیں۔

ذوق

رکھے صحت سے ہمیشہ شافیٔ مطلق تجھے	جو ترے بدخواہ ہوں وہ رنج میں ہوں مبتلا۔

جملۂ معترضہ

کبھی ایک بات پوری نہیں کرتے کہ بیچ میں ایک اور جملہ بول دیتے ہیں اور وہ ایسا جملہ ہوتا ہے کہ اگر نہ بھی بولیں تو کلام میں خلل نہیں پڑتا - ایسے جملے کو جملۂ معترضہ کہتے ہیں - جیسے زید خدا بہشت نصیب کرے بہت نیک آدمی تھا - یہاں خدا بہشت نصیب کرے جملہ معترضہ ہے - شعر

قطع امید نے دل کر دیئے یکسو صد شکر	شکل قدرت یہی اللہ نے دکھلائی ہے

یہاں صد شکر جملۂ معترضہ ہے۔

جملۂ معترضہ اکثر جملہ کے دو جزوں کے بیچ میں آتا ہے کبھی آخر میں واقع ہوتا ہے اور اصل میں اس کی جگہ جملے کے درمیان ہوتی ہے - جیسے مرزا غالب

رہا گر کوئی تا قیامت سلامت	پھر اک روز مرنا ہے حضرت سلامت

[illegible]
[illegible]

[illegible]		[illegible]

[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]		[illegible]

	[illegible]	

[illegible]
[illegible]

	[illegible]	

[illegible]

	[illegible]		[illegible]		

[illegible]

	[illegible]		[illegible]		

بعض اوقات متکلم ندا کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ میرانیس خدا سے خطاب کرکے کہتے ہیں۔ رُباعی

گلشن میں صبا کو جستجو تیری ہے	بُلبل کی زباں پہ گفتگو تیری ہے
ہر رنگ میں جلوہ ہے تری قدرت کا	جس پھول کو سونگھتا ہوں بُو تیری ہے

ندبہ و مندوب

کسی کو یاد کرکے رونے یا تاسف کرنے کو ندبہ کہتے ہیں اور جس اسم پر حروف ندبہ داخل ہوں وہ مندوب کہلاتا ہے۔ ندبہ و مندوب ندا و منادیٰ کی طرح جملہ فعلیہ کے قائم مقام ہوتے ہیں۔ جیسے "ہائے زید" "وائے نصیب" اس کے یہ معنی ہیں کہ میں زید کو روتا ہوں اور نصیب کا افسوس کرتا ہوں۔

کبھی مندوب مذکور نہیں ہوتا۔ جیسے **ذوق**۔

کون وقت اے وائے گزرا جی کو گھبراتے ہوئے	موت آتی ہے اجل کو یاں تلک آتے ہوئے

مبیَّن بیان

اور جملہ بیانیہ

بسا اوقات کلام میں ایسا لفظ آتا ہے جس کا بیان ایک جملے میں کیا جاتا ہے اس لفظ کو مبیَّن کہتے ہیں اور اس جملہ کو اس کا بیان اور چونکہ وہ جملہ بیانِ مبیَّن واقع ہوتا ہے اس لئے اس کو جملہ بیانیہ کہتے ہیں۔ جملہ بیانیہ کبھی فعلیہ ہوتا ہے کبھی اسمیہ اور اس کے شروع میں اکثر ایک کاف آتا ہے جس کو کاف بیانیہ کہتے ہیں۔ اگرچہ یہ کاف فارسی سے لیا گیا ہے مگر اردو میں اس طرح آتا ہے کہ بقول مولوی محمد حسین صاحب آزاد اس کے بغیر کلام بے مزہ ہوجاتا ہے حالی

زمیں روکھ بن پھول پھل پتّا پتّا	یہ فریاد سب کر رہے ہیں بحسرتا

کبھی منادیٰ ایک سے زیادہ ہوتے اور موخر ہوتے ہیں اور جواب ندا بھی متعدد ہوتے اور مقدم ہوتے ہیں تو منادیٰوں میں جواب ندا کے لحاظ سے ترتیب ہوتی ہے۔ جیسے

شعر

تم میں وہ سوز نہ تم میں ہے نہ ایماں باقی	رہ گیا کیا ہے اب اے گبر و مسلماں باقی

اس شعر میں پہلے جواب ندا کے لحاظ سے گبر منادیٰ پہلے اور دوسرے کے لحاظ سے مسلماں منادیٰ پیچھے ہے۔

گفتگو میں حرف ندا بہت کم لاتے ہیں۔ جیسے شہزادی نے فرمایا محمود! کہو کہاں کہاں کی سیر کی اتنے دن کہاں رہے کہاں آئے کس کس ملک میں پھرے۔ ہمارے واسطے کیا کیا سوغات لائے محمود نے کہا حضور کیا عرض کروں [illegible] بہت [illegible]

منادیٰ قریب ہو تو بھی اکثر حرف ندا حذف کر دیتے ہیں۔

دیکھو [illegible] ہوتی ہے۔ ۵

[illegible]	بہت وقت بیکار تم کھو چکے

[illegible] حذف کر دیتے ہیں۔ شعر

[illegible]	[illegible]

[illegible] جیسے جرأت

[illegible]	[illegible]

ذوق

[illegible]	[illegible]

[illegible]
[illegible] دونوں کو حذف کرتے ہیں۔
[illegible]

چونکہ حسبِ عقائدِ اہلِ کتاب حضرت عیسیٰ علیہ السلام بیماروں کو تندرست اور مردوں کو زندہ کردیتے تھے اس لیے شاعر نے مخاطب کو اُن کی انہیں صفتوں سے متصف سمجھکر مسیحا کرکے پکارا ہے۔

کبھی منادیٰ کا نام نہیں لیتے کسی صفت سے موصوف قرار دے کر ندا کرتے ہیں جیسے

مصرع — اے خاصۂ خاصانِ رُسل وقتِ دُعا ہے

کبھی منادیٰ کو اُس کی کسی ذاتی صفت سے پکارتے ہیں اور مقصود یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی اُس صفت سے کام لے۔ جیسے مصرع

اے اکرم و ارحم کرم و رحم کی جا ہے

یہاں خدا کا نام نہیں لیا۔ اکرم و ارحم کہا ہے اس غرض سے کہ خدا اکرم اور رحم کرے

بسا اوقات ایسی چیزوں کو بھی منادیٰ ٹھیر لیتے ہیں جو ندا کے قابل نہیں ہیں۔ جیسے میر

سب گئے دل سے صبر و تاب و تواں — لیکن اے داغ دل سے تو نہ گیا

حالی

ذرہ ذرہ ہے مظہرِ خورشید — جاگ اے آنکھ دن ہے رات نہیں
ہے پہونچنا اپنا چوٹی تک محال — اے طلب نکلا بہت اونچا پہاڑ

رباعی

کھانے تو بہت میسر آئے ہیں ہمیں — جو دیکھ کے چکھ کے دل سے بھائے ہیں ہمیں
پر سب سے لذیذ تھے وہ کھانے اے بھوک — جو تو نے کبھی کبھی کھلائے ہیں ہمیں

تنگ ہے دل تو وسعتِ دامانِ محشر دیکھ کر — اے جنوں ہم پاؤں پھیلاتے ہیں چادر دیکھ کر

ایک شاعر عمرِ گزشتہ سے بسبیلِ شکایت کہتا ہے شعر

روندے ہے مثلِ نقشِ قدم خلق یاں مجھے — اے عمرِ رفتہ چھوڑ گئی تو کہاں مجھے

آسمان کو پکارنا تو شعرا کی معمولی عادت ہے اس لیے کہ وہ ان پر جور و جفا کرتا رہتا ہے

	[illegible]	

[illegible]

	[illegible]	[illegible]	
		[illegible]	
	[illegible]	[illegible]	

[illegible]

[illegible]

[illegible]

جب کہ حال اسم حالیہ ہو۔ دوسری صورتوں میں یہ بات نہیں جیسا کہ امثلہ مذکورہ سے ظاہر ہے۔

مستثنٰی۔ مستثنٰی منہ

جس چیز کو اوروں سے جدا کرتے ہیں اُس کو مستثنٰی کہتے ہیں اور جن سے جدا کرتے ہیں اُنکو مستثنٰی منہ اور جو لفظ مستثنٰی کو مستثنٰی منہ سے علیحدہ کرتا ہے اس کو حرف استثنار۔ جیسے احمد کے سوا سب آئے۔ ترکیب آئے فعل۔ سب مستثنٰی منہ۔ سوا حرف استثنار احمد مستثنٰی۔ مستثنٰی اور مستثنٰی منہ مل کر فاعل۔ فعل فاعل کے ساتھ مل کر جملہ فعلیہ ہوا۔

استثنار کی قسمیں حروفِ استثنا کے بیان میں مذکور ہوں گی۔

قَسَمْ اور مُقْسَمْ بہٖ[1]

قسم اور مقسم بہ قائم مقام جملہ فعلیہ ہوتے ہیں۔ جب کہتے ہیں کہ خدا کی قسم اُس کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ میں خدا کی قسم کھاتا ہوں۔ قسم کھاتا ہوں فعل۔ میں فاعل۔ کلمہ قسم مضاف۔ خدا مقسم بہ مضاف الیہ۔ مضاف اور مضاف الیہ مل کر مفعول ہوئے۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول کے ساتھ مل کر جملہ فعلیہ ہوا۔

عربی میں قسم کے حروف وآو۔ ب۔ ت ہیں۔ جیسے واللہ، باللہ، تاللہ اور یہ سب لفظ اقسم باللہ[2] کے معنوں میں آتے ہیں۔ فارسی میں کہتے ہیں بخدا یعنی قسم میخورم بخدا عربی ترکیب میں اقسم فعل با فاعل ہے اور باللہ جار مجرور متعلق فعل۔ مفعول کوئی نہیں۔ اردو میں کلمہ قسم اور مقسم بہ مفعول ہوتا ہے۔ مقسم بہ ایسا شخص ہوتا ہے جس کا ادب اور عظمت لوگوں کے دلوں میں ہوتی ہے۔ یہی سبب ہے کہ عموماً خدا کی جو سب سے اکبر و اعظم ہے قسم کھاتے ہیں۔

---

[1] جس کی قسم کھائیں

[2] میں خدا کی قسم کھاتا ہوں۔

خالد گھر میں بیٹھا ہوا کام کر رہا ہے۔ **شعر**

غالب ہمیں نہ چھیڑ کہ پھر جوشِ اشک سے	بیٹھے ہیں ہم تہیۂ طوفاں کئے ہوئے

اسم مفعول کا ہوا اور ہوئے کبھی حذف بھی ہوتا ہے۔ جیسے خالد گھر میں بیٹھا کام کر رہا ہے
یا خالد ٹوپی اوڑھے جاتا تھا۔
کبھی امر مکرر ہو کر بہ زیادت کے یا کر حال واقع ہوتا ہے۔ جیسے **شعر**

نہیں بھولتا اُن کی رخصت کا وقت	وہ رو رو کے ملنا بلا ہو گیا
یونہیں وقت سو سو کے جو ہیں گنواتے	وہ خرگوش کچھوؤں سے ہیں زک اٹھاتے

کبھی اسم صفت سے یہ فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ جیسے حامد خوش خوش پھر رہا ہے۔ حال کی تذکیر
تانیث اور وحدت و جمع بلحاظ ذو الحال کے ہوتی ہے۔ مگر یہ قاعدہ صرف اسی صورت سے متعلق ہے

لہ خرگوش اور کچھوے کی حکایت مشہور ہے اور منتخب الحکایات میں اُن الفاظ میں لکھی ہے۔
حکایت۔ ایک کچھوے کو سفر درپیش تھا اس کی جستجو ہوئی کہ کوئی ساتھی ملے تو سفر کروں۔ اتفاق سے ایک خرگوش بھی اسی طرف کو جانے والا تھا۔ کچھوے نے کہا میاں خرگوش آؤ ہم تم ساتھ چلیں خرگوش بے اختیار ہنسا اور کہا لے احمق کہاں تو بھدا بھیس۔ رینگ کر پہروں میں ایک بالشت زمین چلتا ہے اور کہاں میں بجلی کی مانند لپکتا ہوں ہوا کی طرح اُڑتا ہوں۔ بھلا میرا اور تیرا کیا ساتھ۔ کچھوے نے کہا کہ یہ صحیح ہے مگر منزل پر خدا نے چاہا آپ سے آگے ہی پہنچوں گا۔ یقین نہ ہو تو شرط باندھ لیجئے۔ چنانچہ یہ شرط ہوئی کہ جو ہارے اس کے کان کاٹے جائیں۔ کچھوا آہستہ آہستہ لگا اپنی چال چلنے اور خرگوش تو وہ چھلانگوں میں نظر سے غائب ہو گیا۔ تھوڑی دور آگے جا کر خرگوش نے سوچا کہ جتنا میں چل چکا ہوں شام تک تو کچھوے کو یہاں آنا مشکل ہے۔ جلدی کیوں کروں لاؤ ذرا سو رہوں۔ خرگوش آرام سے سو رہا کچھوا بڑی دیر کے بعد گھسٹتا گھسٹتا آیا دیکھا تو حریف پڑا سوتا ہے چپکے چلدیا۔ بڑی رات گئے خرگوش جاگا تو کچھوا نظر نہ آیا۔ آپ ہی آپ کہنے لگا اللہ رے سست قدم میاں کچھوے اب تک تشریف نہیں لائے۔ خیر چلیں سرائے میں رات رہیں کل میاں کچھوے آ ہی جائیں گے۔ جوں سرائے میں قدم رکھا دیکھا تو کچھوا موجود۔ خرگوش کو دیکھتے ہی کچھوا لپکا کہ لائیے حضرت کان۔ خرگوش دم دبا کر ایسا بھاگا کہ آج تک کانوں کے ڈر کے مارے بھاگا بھاگا پھرتا ہے۔

مصرع ۔ اَلَا کُلُّ شَیْءٍ مَا خَلَا اللّٰہِ بَاطِلٌ

فارسی اور اُردو میں جو حروف حروفِ جر کہلاتے ہیں اُن کا یہ عمل نہیں ہے اور نہ ہو سکتا ہے ہم چاہتے تھے کہ اُردو میں یہ نام بدل کر اور نام رکھدیں ۔ مگر چونکہ جرّ لغۃً کھینچنے کو کہتے ہیں اور حروفِ جر فعل یا شبہ فعل کے معنوں کو کھینچکر مجرور سے لا ملاتے ہیں اور عربی کی کتابوں میں حروفِ جر کو حروفِ جر کہنے کی یہ بھی ایک وجہ بیان کی گئی ہے ۔ گو یہ وجہ ضعیف ہے اور فارسی اور اُردو میں تو اس کے سوا کوئی اور وجہ ہو ہی نہیں سکتی اس لئے ہم بھی جار[1] مجرور کو جار مجرور ہی کہیں گے ۔

جار و مجرور مل کر ہمیشہ متعلقِ فعل یا شبہ فعل ہوتے ہیں ۔ جیسے میں نے زید کو اپنی آنکھ سے دیکھا ۔ دیکھا فعل میں فاعل نے علامتِ فاعل زید مفعول کو علامتِ مفعول سے جار ۔ اپنی آنکھ بترکیبِ اضافی مجرور ۔ جار و مجرور متعلقِ فعل ۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول اور متعلق کے ساتھ مل کر جملۂ فعلیہ ہوا ۔ یہ جار مجرور کے فعل سے متعلق ہونے کی مثال ہے ۔ شبہ فعل سے متعلق ہونے کی مثال جیسے زید گھر میں بیٹھا کتاب پڑھ رہا ہے ۔ پڑھ رہا ہے فعل ۔ زید فاعل ذوالحال ۔ بیٹھا حال شبہ فعل میں جار ۔ گھر مجرور ۔ جار و مجرور متعلقِ شبہ فعل حال اور ذوالحال مل کر فاعل ۔ کتاب مفعول ۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول کے ساتھ مل کر جملۂ فعلیہ ہوا ۔

حال اور ذوالحال

جو لفظ فاعل یا مفعول کی ہیئت یا حالت ظاہر کرے اُس کو حال کہتے ہیں اور جس کی ہیئت یا حالت ظاہر ہو اُس کو مفعول ۔

اُردو میں کئی طرح کے الفاظ ہیں جو حال کا فائدہ دیتے ہیں ۔ اسم حالیہ تو حال ہی کے لئے موضوع ہوا ہے ۔ جیسے زید ہنستا جاتا تھا ۔ کبھی اسم مفعول سے بھی یہ فائدہ حاصل ہوتا ہے ۔ جیسے

[1] جار اسم فاعل کا صیغہ ہے اور اس کے معنی ہیں کھینچنے والا یا کھینچ کر ملانے والا ۔

غیر محدود جیسے آگے پیچھے، دائیں بائیں، اِدھر اُدھر، نیچے اوپر، اردگرد، اندر باہر یہاں وہاں کہیں کہیں سامنے۔ طرف۔ رُخ وغیرہ بیت

سدا ایک ہی رُخ نہیں ناؤ چلتی	چلو تم اُدھر کو ہوا ہو جدھر کی

ظروف محدود کے ساتھ اکثر پر یا میں یا سے یا کو استعمال کیا جاتا ہے۔ غیر محدود کے ساتھ عموماً کوئی لفظ نہیں آتا۔

ظرفِ زماں

یہ بھی محدود اور غیر محدود ہوتا ہے۔ محدود جیسے صبح۔ شام۔ رات۔ دن۔ مہینا۔ برس گھڑی۔ گھنٹہ۔ منٹ۔ پل۔ صدی۔ ہفتہ۔ آج۔ کل وغیرہ۔ غیر محدود۔ جیسے ہمیشہ۔ سدا۔ جب۔ تب۔ آئے دن۔ رات دن۔ صبح و شام۔ زمانہ۔ وقت۔ کبھی کبھی۔ ظرفِ زماں محدود کے ساتھ اکثر کو یا میں آتا ہے۔ غیر محدود کے ساتھ کم آتا ہے۔

فائدہ۔ کبھی دو ظرف محدود مل کر غیر محدود ہو جاتے ہیں۔ جیسے آج کل۔ یہ دونوں ظرفِ زماں محدود ہیں۔ مگر آج کل (یعنی ان دنوں اور فی الحال) غیر محدود ہے۔

جار و مجرور

عربی زبان میں چند حروف جو سے۔ میں۔ پر۔ مانند۔ تک۔ واسطے۔ ساتھ۔ سوا وغیرہ کے معنی دیتے ہیں حروفِ جر کہلاتے ہیں۔ اس لئے کہ جر کسرہ کو کہتے ہیں اور جن الفاظ پر وہ حروف داخل ہوتے ہیں ان کے حرفِ آخر کو مکسور کر دیتے ہیں۔ جیسے مِنَ اللّٰہِ۔ فِی الْاَرْضِ۔ عَلَی السَّمَاءِ۔ اِلَی الْمَسْجِدِ۔ لِلصَّلٰوۃِ۔ کَالطَّائِرِ۔ بِالسَّیْفِ۔

---

۱ مومن سے جب نہ تب والضحیٰ پڑھتے ہے امام

۲ اسی بنا پر شیخ ابراہیم ذوق کہتے ہیں ؎

علی سے کیونکہ نہ ہو زیر لشکرِ کفار	علی ہے شکلِ علی اور علی ہے حرفِ جار

یعنی علی کی صورت ہے اور علی حرفِ جار ہے اس لئے لشکرِ کفار کا اُن سے زیر ہونا ضروری ہے۔

سکے اور مفعول پیدا کئے جائیں تو تمام متعلقاتِ فعل مفعول ہی مفعول ہو جائیں اور کوئی لفظ نہ رہے جس کو متعلقِ فعل کہہ سکیں۔

مفعولِ مطلق

عربی زبان میں کبھی فعل کے ساتھ اُسی کا مصدر یا مصدر کا مرادف لاتے اور اُسکو مفعولِ مطلق کہتے ہیں۔ جیسے قرآن میں ہے اِنّا صَبَبْنَا المَآءَ صَبًّا ثُمَّ شَقَقْنَا الارضَ شقًّا۔ اگر اُردو میں اس طریق سے مصدر استعمال کیا جائے یا کلامِ عرب کا اس طرح ترجمہ کیا جائے تو کلام غلط اور بے لطف ہو جائے مثلاً آیات مذکورہ کا یوں ترجمہ کیا جائے کہ ہمیں نے پانی برسانا برسایا اور پھر ہمیں نے زمین کو پھاڑنا پھاڑا۔ تو برسانا اور پھاڑنا فصیح کلام کو بے مزہ کر دینگے۔ اُردو میں فعل کا مصدر اس طریق سے استعمال نہیں کیا جاتا۔ بلکہ کسی خصوصیت کے ساتھ استعمال کیا جاتا ہے۔ جیسے شعر

ظفر ہم اپنا رونا روئیں جا کر سامنے کس کے	رہا کون اپنے آنسو پونچھنے والا ہے رونے میں

اور بیشتر بجائے مصدر حاصلِ مصدر مستعمل ہوتا ہے اور جس طرح عربی میں مصدر کبھی تاکید اور کبھی تعداد اور کبھی وضع کے لئے آتا ہے اُسی طرح اُردو میں حاصل مصدر آتا ہے جیسے وہ خوب چال چلا۔ زید ایک دوڑ دوڑا۔ آتش

تری تقلید سے کبکِ دری نے ٹھوکریں کھائیں	چلا جب جانور انساں کی چال اُس کا چلن بگڑا

ظرفِ مکان

ظرفِ مکان دو طرح کا ہوتا ہے۔ محدود اور غیر محدود۔ جیسے صراحی مجمر۔ آب خورہ۔ گلاس۔ آفتابہ۔ دیگچی۔ مکان۔ گھر۔ محل۔ مدرسہ۔ باغ۔ جنگل۔ شہر۔ گلی۔ کوچہ۔ بازار۔ سرائے۔ ملک۔ وطن۔ دریا۔ سمندر وغیرہ۔

۱؎ ہمیں نے پانی برسایا پھر ہمیں نے زمین کو پھاڑا

ضرورت بھی کچھ نہیں۔ سیدھی بات یہ ہے کہ ایسے الفاظ متعلق فعل ہوتے ہیں۔ جیسے زید نے عمرو کو تلوار سے مار ڈالا۔ اس جملہ میں مار ڈالا فعل ہے۔ زید فاعل۔ عمرو مفعول۔ سے جار۔ تلوار مجرور۔ جار مجرور متعلق فعل

مفعول لہٗ۔ یعنی وہ لفظ جو فعل کے سبب یا غرض پر دلالت کرے۔ اردو میں جس طرح سے الفاظ فعل کا سبب یا غرض واقع ہوتے ہیں اس کی کئی صورتیں ہیں۔

(۱) زید حیا کے سبب سے آنکھ نیچی رکھتا ہے۔ یہاں آنکھ نیچی رکھنے کا سبب حیا ہے۔

(۲) زید نے عمرو کو ادب سکھانے کے لئے مارا۔ یہاں مارنے کی غرض ادب سکھانا ہے۔

(۳) حامد محمود کی تعظیم کو یا تعظیم کے واسطے یا تعظیم کے لئے اٹھا۔ یہاں اٹھنے کا سبب یا غرض تعظیم ہے۔

(۴) ہادی مدرسے پڑھنے گیا۔ یہاں مدرسے جانے کا سبب یا غرض پڑھنا ہے۔

صورت اوّل کے سوا دوسری اور تیسری اور چوتھی صورت میں سکھانا (جو شبہ فعل ہے مع اپنے مفعول ادب کے) اور محمود کی تعظیم بہ ترکیب اضافی اور پڑھنے سب مفعول لہٗ ہیں۔ ع

کاٹنے دوڑتی ہے ماہیِ بے آب مجھے

ترکیب۔ دوڑتی ہے فعل۔ ماہیِ بے آب بہ ترکیب توصیفی فاعل۔ کاٹنے شبہ فعل۔ مجھے اس کا مفعول۔ شبہ فعل مع اپنے مفعول کے مفعول لہٗ دوڑتی ہے کا۔ فعل اپنے فاعل اور [illegible] کے ساتھ مل کر جملۂ فعلیہ ہوا۔

اہل قواعد نے جس طرح کے یہ مفعول بنائے ہیں اس طرح کے اور مفعول بھی اردو میں پیدا ہو سکتے ہیں۔ مثلاً جس چیز کے اوپر فعل وقوع میں آئے وہ مفعول علیہ ہو سکتا ہے جیسے زید کتا میز پر رکھی۔ اسی طرح جس چیز کی معیت میں فعل صادر ہو وہ مفعول معہ ہو سکتا ہے اور مجھ کو سخت [illegible] کہ اہل قواعد کا ذہن اس قسم کے مفاعیل کی طرف کیوں منتقل نہیں ہوا۔ باوجودیکہ نحو عربی میں منجملہ مفاعیل ایک مفعول معہ بھی قرار دیا گیا ہے۔

حق یہ ہے کہ جس طرح کے مفعول فیہ اور مفعول منہ اردو میں پیدا کئے گئے ہیں اگر اسی طرح

مجھے کہا جاتا ہے۔ میں تو آپ کو کمال نالائق بے وقوف جانتا ہوں۔ گدھے سے بدتر خیال کرتا ہوں یہ کہنا چاہتا تھا اور خود بخود دل میں لجاتا تھا کہ یہ کیا کلمہ زبان سے نکال رہا ہوں۔ مگر کیا کروں ناچار تھا۔ اگر اپنے تئیں بولتا ہوں تو پہلا اعتراض جدا قائم رہتا ہے اور اس پر طرہ یہ کہ دوہری بے وقوفی ثابت ہوتی ہے کہ سمجھانے سے بھی کچھ اثر نہ ہوا۔ بارے وہ خود ہی قائل ہو گئے کہ ایسے مقاموں میں آپ کو بولنا نامناسب بلکہ محض غلط ہے اور اپنے تئیں بولنا بجا اور صحیح۔

فائدہ - اپنے تئیں۔ آپ کو۔ اپنے آپ کو ایک دوسرے کی جگہ استعمال کیے جاتے ہیں۔ اپنے آپ کو کی مثال دیکھو۔ **شعر**

نازک بہت ہے رشتۂ الفت، ٹوٹ جائے	اتنا نہ اپنے آپ کو لے مہ جمال کھینچ

فائدہ - کس۔ جس۔ اس۔ اُس کے ساتھ یائے مجہول اور مجھ تجھ کے ساتھ ہائے مخلوط اور یائے مجہول اور ہم کے ساتھ یائے مجہول اور نون غنہ اور تم۔ کن۔ جن۔ ان۔ اُن کے ساتھ ہائے مخلوط اور یائے مجہول اور نون غنہ بھی علامات مفعول آتی ہیں۔ جیسے کسے۔ جسے۔ اسے۔ اُسے۔ مجھے۔ تجھے۔ ہمیں۔ تمھیں۔ کنھیں۔ جنھیں۔ انھیں۔ اُنھیں۔

مفعول فیہ اور مفعول منہ اور مفعول معہ کیا چیز ہیں | مفعول بہ کے علاوہ قواعد کی کتابوں میں چار مفعول اور لکھے ہیں مفعول فیہ[1] مفعول منہ[2]۔ مفعول لہٗ۔ مفعول مطلق[3]۔ ان میں سے مفعول فیہ تو ظرف زمان اور ظرف مکان ہے جس کو نحویان عربی کی تقلید سے مفعول فیہ کہا گیا ہے۔ ظرف اردو میں متعلق فعل ہوتا ہے اس لئے کچھ ضرور نہیں ہے کہ اس کو مفعول فیہ قرار دیا جائے ظرف مکان اور ظرف زمان کا حال ہم عنقریب لکھیں گے۔

مفعول منہ - اس لفظ کو کہا گیا ہے جو نوع فعل کا آلہ ہو سکے۔ اول تو یہ نام ہی غلط ہے کیونکہ عربی زبان میں ان الفاظ کے ساتھ جو آلہ صدور فعل ہوں مِن (جو سے کا ترجمہ ہے) نہیں آتا۔ مثلاً یوں نہیں کہتے کہ قتلتہ من السیف۔ دوسرے ایسے الفاظ کو مفعول کہنے کی

---

[1] خواجہ حالی نے یادگار غالب میں اس لطیفہ کو مرزا غالب کی طرف منسوب کیا ہے۔ عرشی

[2] جو لفظ وقوع فعل کے مکان یا زمانے پر دلالت کرے اس کا نام مفعول فیہ رکھا گیا ہے۔

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]	[illegible]

[illegible]

[illegible]	[illegible]

"میں نے خدا سے دعا کی"

"زید نے عمرو سے التجا یا التماس یا عرض کی"

"اے غفار ہمارے گناہوں سے درگزر یا درگزر کر"

"خدا اُس پر رحم کرے یا کرم کرے یا فضل کرے"

"ماں باپ اپنی اولاد پر بہت شفقت کرتے ہیں"

"زید پر خفا مت ہو"

"تم اُس پر غصے کیوں ہوتے ہو"

"شیطان پر سب لعنت کرتے ہیں"

ضمائر کی حالت مفعولیت

اُسے	اُس کو	اُس کے تئیں
انھیں	اُن کو	اُن کے تئیں
تجھے	تجھ کو	تیرے تئیں
تمھیں	تم کو	تمھارے تئیں
مجھے	مجھ کو	میرے تئیں
ہمیں	ہم کو	ہمارے تئیں

بعض صورتوں میں کو علامت مفعول مفعول کے ساتھ نہیں آتی یعنی

(۱) فعل متعدی بدو مفعول ہو تو دوسرے مفعول کے ساتھ یہ علامت نہیں آتی۔ جیسے حامد کو سبق پڑھایا۔ یہاں سبق دوسرا مفعول ہے اور علامت مفعول نہیں رکھتا۔

(۲) اگر مصدر مفعول ہو عام اس سے کہ اُردو کا مصدر ہو یا کسی اور زبان کا جیسے زید نے کھانا کھایا۔ عمرو نے تماشا دیکھا۔

(۳) مفعول غیر ذی روح یا غیر ذی عقل ہو اور صرف ایک ہی ہو تو عموماً علامت مفعول سے خالی ہوتا ہے۔ جیسے حامد نے کتاب پڑھی۔ محمود نے گھوڑا خریدا۔

کبھی نظم میں کو استعمال کر بھی لیتے ہیں۔ جیسے شعر

التجا کرنا۔ التماس کرنا۔ عرض کرنا۔ درگزرنا یا درگزر کرنا وغیرہ ان کے مفاعیل کے ساتھ سے علامتِ مفعول آتی ہے۔ کرم کرنا۔ فضل کرنا۔ رحم کرنا۔ شفقت کرنا۔ خفا ہونا۔ غصے ہونا۔ لعنت کرنا وغیرہ کے ساتھ پر آتا ہے۔ "جیسے حامد نے محمود سے کہا" الاسلام یہیں ہے۔ بلیث

لگانا نہ دل یاور اسے خدا سے ۔۔۔ محبت نہ کرنا کبھی ماسوا سے

"زید عمرو سے بہت الفت کرتا ہے"

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۷۔ البتہ حکم اور نصیحت کے معنوں میں کبھی کبھی صلہ آجاتا ہے۔ جیسے امیر

مرکے راحت تو ملی پر یہ کھٹکا باقی ۔۔۔ آکے عیسیٰ سرِ بالیں نہ کہیں تم مجھ کو

محمد احسان علی خاں۔ احسان

جانتے تھے جو ترا کشتۂ اندازِ خرام ۔۔۔ حشر کے فتنے اٹھے کہتے ہوئے تم مجھ کو

نواب مرزا خاں۔ داغ

معجزۂ حضرت عیسیٰ [illegible] تو نہیں ۔۔۔ درد اٹھتا ہے وہ کہتے ہیں اگر تم مجھ کو

"اور جب یہ لوگ [illegible] جیسے ان کے باپ نے ان کو کہہ دیا تھا (مصر میں) داخل ہوئے" ترجمۃ القرآن مولوی نذیر احمد۔ بعض مقامات میں [illegible] کے معنوں میں بھی کو بولا جاتا ہے۔ جیسے "ان کو میری طرف سے کہنا" کہلا بھیجنا کے ساتھ تو صرف کو [illegible] جیسے "انھوں نے ان کو کہلا بھیجا"

ان کے علاوہ بعض [illegible] میں [illegible] کو استعمال کیا جاتا ہے یا وہ لفظ جو کو کا فائدہ دیتا ہے جیسے شعر

بے وفا تجھ سے [illegible] ۔۔۔ آفریں ہم تجھے اسے مردِ خدا کہتے ہیں
[illegible] ۔۔۔ تجھے نشاست کہ اس کو ہی وفا کہتے ہیں

میر

[illegible] تجھے [illegible] ۔۔۔ [illegible] غریب سے بلا لو

غالب

[illegible] ۔۔۔ [illegible] کہتے ہیں

[illegible]

[illegible] ۔۔۔ [illegible] تم مجھ کو

بعض افعالِ متعدی کا صرف ایک مفعول آتا ہے۔ جیسے زید نے کھانا کھایا۔ بعض کے دو مفعول آتے ہیں۔ جیسے زید نے عمرو کو کھانا کھلایا۔ دوسرے مفعول کو مفعولِ ثانی کہتے ہیں۔

بعض افعال کا کبھی ایک مفعول آتا ہے۔ کبھی دو۔ جیسے "میں نے حامد کو عالم سمجھا یا خیال کیا" "میں سمجھتا یا خیال کرتا تھا کہ ایسا ہونا محالات سے ہے۔"

کبھی ایک فعل کے کئی مفعول آتے ہیں۔ ظفر

ہمیشہ کنجِ تنہائی میں ہم مونس سمجھتے ہیں	الم کو یاس کو حسرت کو بیتابی کو حرماں کو

اگر ان میں حرفِ عطف محذوف سمجھا جائے تو تمام مفاعیل بہ ترکیبِ عطفی ایک مفعول کا حکم رکھیں گے۔

اسم ظاہر مفعول ہو تو اس کے ساتھ علامتِ مفعول "کو" آتی ہے۔ بعض افعال کے مفعولوں کے ساتھ کو کے سوا اور علامتیں لگائی جاتی ہیں۔ مثلاً کہنا[1]۔ محبت کرنا۔ الفت کرنا۔ دعا کرنا۔

[1] کہنا کا لفظ کئی معنوں میں مستعمل ہوتا ہے۔ ایک[1] قرار دینا۔ دوسرے[2] نام رکھنا۔ تیسرے[3] الزام دینا۔ چوتھے[4] بیان کرنا۔ ذکر کرنا۔ ظاہر کرنا۔ گفتگو کرنا۔ خبر دینا یا خبر کرنا۔ آگاہ کرنا۔ پانچویں[5] عرض کرنا۔ التماس کرنا۔ التجا کرنا۔ چھٹے[6] دعا کرنا یا دعا مانگنا۔ ساتویں[7] سوال کرنا۔ آٹھویں[8] جواب دینا۔ نویں[9] پیغام دینا۔ دسویں[10] حکم دینا۔ گیارھویں[11] نصیحت کرنا۔ بارھویں[12] اقرار کرنا۔ پہلے تین معنوں میں اس کا صلہ کو آتا ہے۔ جیسے "زید نے عمرو کو جاہل کہا" یا اس کو تبرائی کہتے ہیں یا کہ خالد کو کہتا ہے کہ "اس نے اسکی کتاب چرائی ہے" "بدبخت کا اس پر تو زور چلتا نہیں ہم کو کہتا ہے کہ ہم نے اسے بدنام کیا ہے" باقی تمام معنوں میں اس کا صلہ سے آتا ہے۔ جیسے "نوکر سے کہہ کہ گاڑی تیار کرے" "آپ نے تو ہم سے یہ کہا تھا کہ وہاں تشریف نہیں لے جائیے گا" منشی امیر احمد صاحب امیر کی ایک غزل کے چند شعر سنو۔

لڑکے اس شوخ سے قاصد مرا رونا کہنا	ہنس پڑے اس پہ تو پھر حرفِ تمنا کہنا
ہر بنِ موئے مژہ میں ہیں یہاں سو طوفاں	میں غفلت سے مری آنکھ کو دریا کہنا
کر لیا عہد کبھی کچھ نہ کہیں گے منہ سے	اب اگر سچ بھی کہیں تم ہمیں جھوٹا کہنا
کیسے ناداں ہیں جو اچھے کو برا کہتے ہیں	ہو برا بھی تو اسے چاہیے اچھا کہنا

اہلِ زبان کیا لکھنؤ والے اور کیا دلی والے سب اسی طرح بولتے ہیں۔

جو افعال متعدی بدو مفعول ہوتے ہیں اور وہ صرف مجہولِ لفظی ہوتے ہیں۔ ان میں دوسرا مفعول - مفعول قائم مقام فاعل ہوتا ہے۔ جیسے زید کو سبق پڑھایا گیا۔ عمرو کو کھانا کھلایا گیا پہلے جملے میں سبق مفعول قائم مقام فاعل ہے۔ دوسرے میں کھانا۔ مگر افعالِ قلوب میں پہلا ہی مفعول قائم مقام فاعل ہوتا ہے اور افعالِ قلوب وہ فعل ہیں جو دل سے تعلق رکھتے ہیں اور متعدی بدو مفعول ہوا کرتے ہیں جیسے میں نے زید کو فاضل جانا یا سمجھا یا خیال کیا جب مجہول بنائیں گے تو کہیں گے زید فاضل جانا گیا یا سمجھا گیا یا خیال کیا گیا علیٰ ہذا القیاس۔

فائدہ - فعلِ مجہول میں جن مقامات میں کو استعمال کیا جاتا ہے وہ وہی ہیں جو بیان کر دیئے گئے ہیں مگر دیکھا جاتا ہے کہ جن افعال کا صرف ایک مفعول آتا ہے۔ یعنی جہاں قاعدہ مذکور کے مطابق کو استعمال کرنا نہیں چاہیے اہلِ زبان نے وہاں بھی اُسے استعمال کیا ہے۔ جیسے **داغ**

وہ خریدار ہی دل کے نہ ہوئے کیا کیجے	ہم بھی کچھ دیتے کچھ اُن کو دبایا جاتا

اس شعر میں قاعدے کے مطابق وہ بھی دبائے جاتے چاہیے تھا۔

مفعول بہ

جس لفظ پر فعل واقع ہو اُس کو مفعول بہ کہتے ہیں۔ مفعول بہ نثر میں فاعل کے بعد اور فعل سے پہلے آتا ہے اور یہی فصیح ہے۔ جیسے زید نے عمرو کو دیکھا۔ مگر نظم میں آگے پیچھے بھی ہو جاتا ہے۔ جیسے **ذوق**

بدخصلتوں کو کرتا ہے بالانشیں فلک	اونچی ہے آشیانۂ زاغ و زغن کی شاخ

کرتا ہے فعل۔ فلک فاعل۔ بدخصلتوں مفعول۔

مفعول بہ کی عام نشانی یہ ہے کہ جب فعل کے ساتھ کس کو یا کیا ملا کر پوچھیں تو وہ جواب میں واقع ہو۔ جیسے ناظر نے حاضر کو دیکھا۔ اگر پوچھیں کس کو دیکھا تو جواب ہوگا حاضر کو۔ پس حاضر مفعول بہ ہے۔ حمید نے چاقو خریدا۔ جب پوچھیں کیا خریدا تو جواب ہوگا چاقو۔ پس چاقو مفعول بہ ہے

سبب مکرر ہو جاتے ہیں۔ غرض ان سے یہ ہوتی ہے کہ سننے والا مخاطب لفظ سن کر جلد متوجہ ہو اور تدارک کرے۔

فائدہ۔ فاعل کی علامت یہ ہے کہ جب فعل کے ساتھ کون یا کس نے ملا کر پوچھیں تو وہ جواب میں واقع ہو۔ جیسے احمد آیا۔ جب پوچھیں کون آیا تو جواب ہوگا۔ احمد۔ پس احمد فاعل ہے۔ ایسا ہی حامد نے دیکھا۔ جب پوچھیں کس نے دیکھا تو جواب ہوگا حامد نے۔ پس حامد فاعل ہے۔

فائدہ۔ متقدمین کبھی افعال متعدی کے صیغہائے واحد متکلم سے علامت فاعل (نے) حذف بھی کر دیتے تھے مثلاً جرأت

نہ جواب لے کے قاصد جو پھرا شتاب اُلٹا
میں زمیں پہ ہاتھ مارا بصد اضطراب اُلٹا

خواجہ میر درد

تشنگی اور بھی بھڑکتی گئی
جوں جوں میں آنسوؤں کو اپنے پیا

مرزا رفیع سودا

میں دشمن جاں ڈھونڈ کے اپنا جو نکالا
سو حضرت دل سلمہ اللہ تعالے

مگر متاخرین علامت فاعل بالالتزام استعمال کرتے ہیں اور اب اس کا حذف ہرگز جائز نہیں۔ ہاں چاہنا کا فاعل دل اور جی ہو تو محاورے میں دل چاہا اور جی چاہا بغیر نے کے بولا جاتا ہے۔

ہاں۔ یہاں فعل اور فاعل دونوں محذوف ہو گئے۔ بعض اور مقام بھی ہیں جہاں فاعل اکثر محذوف ہو جاتا ہے۔ مثلاً لوگ کہتے ہیں کہ کسی ملک میں ایک نہایت انصاف پرور اور کرم گستر بادشاہ تھا یہاں کہتے ہیں کا فاعل محذوف ہے یعنی حکایت کرنے والے۔ شعر

دیدۂ عبرت سے گورستاں کی جانب کر نگاہ	خاک پر سوتے ہیں کیا کیا قصر ایواں چھوڑ کر

یعنی اہلِ قبور۔

اسی طرح مفعول بھی محذوف ہو جاتا ہے۔ مثلاً زید عمرو کو مارے۔ تم عمرو سے پوچھو۔ تم کو کس نے مارا۔ وہ کہے زید نے۔ یہاں مفعول محذوف ہو گیا اور مفعول کے علاوہ فعل بھی یعنی زید نے مجھ کو مارا۔

بعض مقامات میں صرف ایک جزو کہنے کو رہ جاتا ہے اور مقدرات کے لحاظ سے وہ جزو جملۂ فعلیہ بھی بن سکتا ہے اور جملۂ اسمیہ بھی۔ جیسے کہیں سانپ پڑا ہو یا دفعۃً کہیں سے سر نکالے تو کہتے ہیں سانپ سانپ یا کہیں چور نظر آتا ہو تو کہتے ہیں چور چور یا جنگل میں شیر قریب آتا ہوا نظر آئے تو کہتے ہیں شیر شیر۔ یہاں تین طرح کے محذوفات نکالے جا سکتے ہیں ایک یہ کہ سانپ نکلا سانپ نکلا۔ چور آیا چور آیا۔ شیر آیا شیر آیا۔ اس صورت میں نکلا فعل اور سانپ فاعل ہے۔ اسی طرح آیا فعل اور چور اور شیر فاعل ہے۔ دوسرے یہ کہ سانپ کو مارو سانپ کو مارو۔ چور کو پکڑو چور کو پکڑو۔ شیر کو روکو شیر کو روکو۔ اس صورت میں مارو اور پکڑو اور روکو فعل ہیں اور تم ضمیر مستتر فاعل اور سانپ اور چور اور شیر مفعول ان دونوں صورتوں میں جملہ فعلیہ ہوگا۔ تیسرے یہ کہ سانپ بیٹھا ہوا یا نکلا ہوا ہے سانپ بیٹھا ہوا یا نکلا ہوا ہے چور آیا ہوا ہے چور آیا ہوا ہے۔ شیر آیا ہوا ہے شیر آیا ہوا ہے۔ اس صورت میں ہے فعلِ ناقص ہے اور سانپ اور چور اور شیر اسم اور بیٹھا ہوا یا نکلا ہوا خبر۔ فعل ناقص اسم اور خبر کے ساتھ مل کر جملہ اسمیہ ہوا۔

ایسے الفاظ اکثر جلدی اور گھبراہٹ یا خوف کے مقام میں منہ سے نکلتے ہیں اور تاکید کے

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]	[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]	[illegible]

[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]

اس بیت میں تھا فعل تام ہے اور جھگڑا فاعل۔

سہی بھی اُسی صورت میں فعلِ ناقص ہوتا ہے۔ جب اسم وخبر کے بغیر کلام پورا نہ ہو۔ بعض اوقات سہی کلام میں زائد بھی آجاتا ہے۔ جیسے "دیکھو تو سہی" "سنو تو سہی"۔ یہاں "سہی" صرف تاکید کا فائدہ دیتا ہے اور مطلب اس کے سوا بھی پورا ہو جاتا ہے۔

کبھی ہے ہوگا کی جگہ استعمال کیا جاتا ہے۔ جیسے شعر

عزیزو حق کی رحمت ہے یہ پیرِ ناتواں ہم میں
پھر ایسا پیر ہے ہم میں نہ کوئی نوجواں ہم میں

یعنی اِن کے بعد ہم میں نہ کوئی ایسا پیر ہوگا نہ نوجواں۔

کبھی تھا بمعنی ہوتا اور تھی بمعنی ہوتی اور تھے بمعنی ہوتے آتا ہے۔ خواجہ حالی کی کسی مثنوی میں ہے۔ بیت۔

مارنا اُس کا نہ تھا کچھ دشوار	اک اشارے میں وہ تھا لقمۂ غار

یعنی ایک اشارے میں وہ لقمۂ غار ہو جاتا۔

مسدسِ مدّ و جزرِ اسلام

بغیر اُن کے بے ساز و ساماں تھی مجلس
نہ ہوتے اگر یہ تو ویراں تھی مجلس
نہ ہوتے اگر مائلِ لہو و بازی　　ہزاروں انھیں میں تھے طوسی و رازی

فعلِ ناقص کا اسم خبر سے مقدم آتا ہے۔ مگر نظم میں یہ پابندی نہیں۔ ناسخ

شگفتہ مثلِ گل ہر فصلِ گل میں داغ ہوتے ہیں
بنا ہے کیا ہمارا کالبد خاکِ گلستاں کا

ہوتے ہیں فعلِ ناقص ہے۔ داغ اسم مؤخر اور شگفتہ خبر مقدم۔

افعالِ ناقصہ

اس کتاب کے حصہ اوّل میں بیان ہو چکا ہے کہ افعالِ ناقصہ میں جب تک فاعل کے علاوہ کوئی اور اسم اُن کے ساتھ نہ ملے کلام سے مطلب حاصل نہیں ہوتا۔ یوں سمجھو کہ افعالِ ناقصہ میں دو اسم درکار ہوتے ہیں ایک کو اسم کہتے ہیں۔ دوسرے کو خبر۔ اسم مسند الیہ ہوتا ہے اور خبر مسند اور فعل ناقص اسم و خبر کے ساتھ مل کر جملہ اسمیہ ہوتا ہے۔ تم کو یاد ہوگا ہم نے ہونا۔ بننا۔ پڑنا۔ رہنا۔ نکلنا (بمعنی ظاہر ہونا) لگنا۔ ہو جانا۔ بن جانا اور اُن کے ہم معنی مصادر کے مشتقات اور تمام اسم فعلوں یعنی ہے کے تینوں اور تھا کے چاروں صیغوں اور سبھی کو افعالِ ناقصہ لکھا ہے۔ اردو کے قواعد کی مروجہ کتابوں میں سبھی کا تو کہیں ذکر ہی نہیں۔ البتہ ہے کو حرفِ ربط لکھا ہے۔ لیکن اگر ہے حرفِ ربط ہے تو تھا حرفِ ربط کیوں نہیں۔ حالانکہ اس کو کوئی بھی حرفِ ربط نہیں کہتا اور ہے اور تھا میں اس کے سوا کچھ فرق نہیں کہ ہے میں بالفعل کا زمانہ پایا جاتا ہے۔ تھا میں گزرا ہوا۔

جو لوگ ہے کو حرفِ ربط قرار دیتے ہیں وہ محمود عالم ہے میں محمود کو مبتدا اور عالم کو خبر کہتے ہیں۔ مگر ہم پوچھتے ہیں کہ "محمود عالم تھا" میں محمود کو مبتدا اور عالم کو خبر کیوں نہیں کہتے ہم حیران ہیں کہ اگر ہے کو حرفِ ربط لکھیں تو ہے اور تھا میں ما بہ الامتیاز کیا قرار دیں۔ عربی میں کہتے ہیں زیدٌ قائمٌ یہ دو لفظ ہیں اور دونوں ایک جملہ ہیں۔ زید کو تم جانتے ہو کہ ایک فرضی یا اصلی نام ہے۔ قائم کے معنی ہیں کھڑا۔ اہلِ عرب ترکیب میں زید کو مبتدا کہتے ہیں اور قائم کو خبر۔ وہ اس جملہ میں ایک مخفی اسناد یعنی نسبت مانتے ہیں جو زید اور قائم میں تعلق پیدا کرتی ہے۔ اس لئے وہ زید کو مسند الیہ کہتے ہیں اور قائم کو مسند مگر اردو میں "زید کھڑا" کوئی جملہ نہیں۔ زید کھڑا ہے جملہ ہے اور جو چیز زید اور کھڑا کو ملاتی ہے وہ ہے ہے۔ بعینہٖ اسی طرح جس طرح عربی کے کَانَ زَیدٌ قَائِمًا میں کانَ زید اور قائم کو ملاتا ہے۔ اہلِ عرب

(۱۷) کبھی ہے (فعلِ ناقص) حذف ہو جاتا ہے۔ جیسے **شعر**

رنگِ عشرت باغِ عالم میں نظر آتا نہیں	گل کو گلچیں کا خطر بلبل کو غم صیاد کا

دوسرے مصرع میں ہے دو جگہ محذوف ہے۔ اصل میں یوں ہے کہ گل کو گلچیں کا خطر ہے اور بلبل کو صیاد کا غم ہے۔

(۱۸) کبھی اسم اور خبر دونوں حذف ہو جاتے ہیں۔ جیسے کوئی پوچھے تمہارے پاس قلم ہے؟ مخاطب کہے۔ ہے۔

(۱۹) کبھی اسم اور خبر اور ہے تینوں حذف ہو جاتے ہیں۔ مثلاً کوئی مسافر کسی شہر میں وارد ہوتا ہے تو پوچھتا ہے یہاں کوئی سرائے ہے؟ جواب دینے والا کہتا ہے۔ ہاں۔

(۲۰) وحدت و جمع میں اسم و خبر کا حال موصوف و صفت کی طرح ہے یعنی اسم واحد ہوتا ہے تو خبر بھی واحد ہوتی ہے اور جمع ہوتا ہے تو جمع، اگر جب اسم جمع مؤنث ہو تو خبر واحد مؤنث آتی ہے۔ جیسے لڑکا پڑھا ہوا ہے۔ لڑکے پڑھے ہوئے ہیں۔ لڑکی پڑھی ہوئی ہے۔ لڑکیاں پڑھی ہوئی ہیں۔

(۲۱) ہے کلام میں اسم اور خبر دونوں کے پیچھے آتا ہے۔ مگر نظم میں اس کی پابندی نہیں۔ جیسے

	برقؔ	

ضروری ہے دریا دلی بہرِ نام	کبھی ناؤ خشکی میں چلتی نہیں

یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ ہے کا اسم مبتدا نہیں رہا تو اردو میں مبتدا کوئی چیز ہی نہیں [illegible] ل و صلہ مل کر ہمیشہ مبتدا ہوتے ہیں۔ جیسا کہ تم آگے دیکھو گے۔ اس کے علاوہ اور کلمات [illegible] ترکیب میں مبتدا واقع ہوتے ہیں۔ مثلاً **بیت**

[illegible] جاہل ضعیف [illegible] تو دنا	تاسف کے قابل ہے احوال سب کا

[illegible] بیت میں پہلا مصرع بہ ترکیبِ عطفی مبتدا ہے اور دوسرا خبر۔ ہم مناسب سمجھتے [illegible] مثال بھی اسم و خبر کے ساتھ ہی لکھ دیں۔

[illegible]

[illegible] (٥١)

[illegible]

[illegible] (٨١)

[illegible]

[illegible] (١١)

[illegible] (٦)

[illegible]

[illegible] (٨)

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] (٥)

[illegible]		[illegible]	

[illegible]

[illegible] (٨)

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]	[illegible]

[illegible]

[illegible] (٩)

[illegible]

[illegible]
[illegible]

[illegible]		[illegible]	
[illegible]		[illegible]	

(۶) انبساط۔ شعر

واہ وا کیا معتدل ہے باغِ عالم کی ہوا	مثلِ نبضِ صاحبِ صحت ہے ہر موجِ صبا

(۷) ندا۔ غالب۔

دلِ ناداں تجھے ہوا کیا ہے	آخر اس درد کی دوا کیا ہے

(۸) [illegible]

مٹی میں مل گیا یہ حسین داستینا	ان گوری گردنوں میں سُو مینا

محزون

نہ تو نامہ ہی نہ پیغام زبانی بھیجا	حیف محزوں مجھے یارانِ وطن بھول گئے

مصرع

اُٹھ گئی دُنیا سے رسمِ دوستداری ہائے ہائے

(۹) قسم۔ شعر

جو آپ ہم سے اٹھا دیئے کہیں نہ کریں جبہ سائی	اگرچہ یہ سرنوشت میں تھا تمھارے سر کی قسم نہ ہوتا!

(۱۰) عرض۔ جیسے "کھیل کود میں وقت ضائع کرنا اچھا نہیں"

(۱۱) تمنا۔ غالب

میں بھی منہ میں زبان ر ہو ش پوچھو کہ مد یہ ہے

۲) تنبیہ "خبردار پھر ایسی حرکت نہ نا"

خبریہ کی قسمیں جملۂ خبریہ دو طرح کا ہوتا ہے۔ فعلیہ اور اسمیہ۔ جملہ انشائیہ اکثر فعلیہ ہوتا ہے اور اسمیہ جیسا کہ مثالہائے مذکورہ سے معلوم ہوا۔

اب جملۂ فعلیہ اور جملۂ اسمیہ کا مفصل حال سنو۔ مگر پہلے ہم جملہ اسمیہ کا حال لکھتے ہیں۔

جملۂ اسمیہ

کوئی سا جملہ ہو اس کے اجزا میں ایک ایسا علاقہ ہوتا ہے جو کلام کو پورا کر دیتا ہے

[illegible]		[illegible]	
[illegible] (٥)			
[illegible]		[illegible]	
[illegible] (٤)			
[illegible]		[illegible]	

[illegible] (٣)

[illegible] (٢)

[illegible] (١)

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

جو تمیز ان الفاظ سے ابہام کو دور کرتی ہے جو شمار اور ناپ تول یعنی عدد یا وزن یا پیمانے یا گز گت یا مسافت کے لئے آتے ہیں اس کو معدود کہتے ہیں اور ممیز کو عدد۔ جیسے نو پیسے دو سیر مکھن۔ چار شیشی عطر۔ دس گز ململ۔ سو کوس رستہ

فائدہ۔ جو الفاظ عموم و شمول کے لئے آتے ہیں اُن سے بھی تمیز رفع ابہام کرتی ہے۔ جیسے تمام عمر۔ سب لوگ کتنی ہی تلواریں۔

فائدہ۔ جب ممیز یا عدد کثرت کے معنے دیتا ہے تو تمیز یا معدود کالانا ضرور نہیں ہوتا جیسے ہم نے کتنا سمجھایا مگر کچھ اثر نہ ہوا۔ مصرع

لاکھ طوطے کو پڑھایا پر وہ حیوان ہی رہا

(۱۳) اسمِ فاعل ترکیبی
(۱۴) اسمِ مفعول ترکیبی
(۱۵) اسمِ صفت ترکیبی

یہ تینوں قسم کے مرکب بھی کلام غیر تام ہیں اور ان کا مفصل حال علمِ صرف میں بیان ہو چکا

(۱۶) اسمِ مکبر۔ جو مرکب ہو
(۱۷) اسمِ مبالغہ
(۱۸) اسمِ تفضیل

یہ سب مرکب بھی مرکبِ ناقص ہیں اور جزوِ جملہ ہوتے ہیں۔

(۱۹) اشارہ اور مشارٌ الیہ

اسمِ اشارہ اپنے مشارٌ الیہ کے ساتھ مل کر کلام تام نہیں ہوتا۔ جیسے یہ آم نہایت شیریں ہے یہاں یہ اور آم دونوں کلام غیر تام ہیں۔

مرکبِ ناقص کا بیان تمام ہوا۔ اب مرکبِ تام کا حال سنو۔

[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]

[illegible]

	[illegible]	[illegible]	[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] (١١)

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] (١٠)

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] (٩)

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible] (٧)

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

مرکبِ ظرفی کی بیشتر فارسی ترکیبیں اردو میں مستعمل ہیں۔

(۶) مرکبِ امتزاجی

جب دو یا دو سے زیادہ لفظ مل کر ایک ہی اسم ہو جائیں تو ایسے مرکب کو امتزاجی کہتے ہیں۔ جیسے اعظم گڑھ، شاہ جہاں پور، محمد یوسف۔

(۷) بدل و مبدل منہ

جب دو لفظ کلام میں اس طرح استعمال کیے جائیں کہ ان میں سے ایک مقصود بالذات ہو اور دوسرے سے چنداں غرض نہ ہو تو جو مقصود بالذات ہوتا ہے اس کو بدل کہتے ہیں اور دوسرے کو مبدل منہ۔ مبدل منہ میں ایک طرح کا ابہام ہوتا ہے جس کی بدل توضیح کر دیتا ہے۔

عربی میں بدل مبدل منہ سے پیچھے آتا ہے۔ اسی لئے توابع میں شمار کیا گیا ہے یعنی مبدل منہ کے پہلے اور بدل کے پیچھے آنے کے سبب مبدل منہ متبوع اور بدل کو تابع[1] کہتے ہیں۔ جیسے زید تمہارا بھائی آیا۔ یہاں زید مبدل منہ متبوع ہے اور تمہارا بھائی بدل تابع۔ مگر اردو میں بدل پہلے بھی آجاتا ہے۔ جیسے اکبر کا بیٹا اصغر عالم ہے۔ اس فقرے میں اصغر سے صاف طور پر نہیں معلوم ہوتا تھا کہ کون سا اصغر مراد ہے۔ اس لئے اکبر کا بیٹا کہنے کی ضرورت ہوئی یہاں اصغر سے کوئی اور اصغر مراد نہیں، بلکہ وہ اصغر مراد ہے جو اکبر کا بیٹا ہے پس اکبر کا بیٹا جو مقصود بالذات ہے بدل ہے اور اصغر مبدل منہ

عربی میں بدل کی چار قسمیں ہیں۔ بدل الکل ـ بدل البعض ـ بدل الاشتمال ـ بدل الغلط۔

[1] تابع کے معنی ہیں کسی کے پیچھے چلنے والا۔ اصطلاح میں تابع اس لفظ کو کہتے ہیں جو کسی کلمہ کے پیچھے آتا ہو اور جو حالت و کیفیت پہلے کلمے کی ہوتی ہے وہی اس پچھلے کلمے کی ہوتی ہے۔ پہلے کلمہ کو متبوع کہتے ہیں اور پچھلے کو تابع۔ عربی میں اس کی پانچ قسمیں ہیں۔ نعت یعنی صفت، معطوف بحرف، تاکید، بدل، عطف بیان۔

(۳) مرکبِ عددی

مرکب عددی دو عددوں سے بنتا ہے۔ جیسے اکیس۔ بائیس۔ ستائیس۔ اٹھائیس پینتیس۔ چھتیس۔ اڑتالیس۔ اکاون۔ باون وغیرہ۔

اعدادِ مرکب میں کسی حرفِ مذکورہ[1] کا ذریعہ درمیان نہیں ہوتا۔ بہت سے مرکبِ عددی ایسے ہیں کہ ان کے اجزا جدا جدا نہیں ہو سکتے۔ یعنی اگر ان کو جدا جدا کیا جائے تو ہرگز معلوم نہ ہو کہ یہ اعداد کے لئے وضع کئے گئے ہیں۔ جیسے بائیس، انچاس وغیرہ۔ ایسے اسمائے اعداد کی نسبت یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ بہت سے اسم عدد ایسے ہیں کہ دو عددوں کے لئے موضوع ہوئے ہیں اور ظاہر میں مفرد معلوم ہوتے ہیں۔ جیسے گیارہ، بارہ۔ جو ایک اور دس اور دو اور دس کے لئے موضوع ہوئے ہیں اور مطلق مرکب معلوم نہیں ہوتے۔

(۴) مرکبِ عطفی یا معطوف بحرف

جب صرف کلمۂ واحد یا کلامِ ناقص یعنی مرکبِ اضافی و توصیفی وغیرہ کا عطف[2] کلمۂ واحد یا کلامِ ناقص پر ہو تو وہ بھی مرکبِ ناقص اور کلامِ تام کا جز ہوتا ہے جیسے زید اور عمرو۔ احمد کی کتاب اور حامد کا قلم۔ زید اور احمد کا بیٹا۔ احمد کا بھتیجا اور عمرو اس طرح کے عطف بعد عطف خواہ کلام میں کتنے ہی ہوں مفید کلامِ تام نہیں ہوتے کیونکہ ان میں اسناد نہیں ہے۔

(۵) مرکبِ ظرفی

جو مظروف و ظرف سے مرکب ہو۔ جیسے قلمدان۔ پاندان۔ باورچی خانہ۔ آتشکدہ۔

---

[1] یہاں مذکور بمقابلہ مقدر یا محذوف ہے ۱۲ [2] عطف اصطلاح میں دو یا زیادہ کو کسی بات میں پہلے کے ساتھ شریک ظاہر کرنے کو کہتے ہیں۔ پہلا معطوف علیہ کہلاتا ہے دوسرا معطوف۔ مثلاً زید اور عمرو نے کھانا کھایا۔ اس فقرے میں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ زید کے ساتھ عمرو بھی کھانا کھانے میں شریک تھا تو زید معطوف علیہ ہے اور عمرو معطوف ۱۲

بعض ایسے اسم ہیں کہ بدونِ صفت تنہا استعمال نہیں کئے جاتے۔ جیسے بھلا مانس۔ اردو میں مانس کا لفظ تنہا نہیں بولا جاتا۔ بھلا کے ساتھ بولا جاتا ہے اور بھلا مانس ہمیشہ صفت واقع ہوتا ہے۔

صفت کی تذکیر و تانیث اور وحدت و جمع موصوف کے مطابق ہوتی ہے۔ مگر جب موصوف جمع مونث ہو تو صفت واحد مونث آتی ہے۔ جیسے اونچی دیواریں۔ اونچا محل۔ اونچے درجے اونچی عمارت۔ لیکن جب موصوف کو حذف کر کے صرف صفت استعمال کرتے ہیں تو صفت کو جمع لاتے ہیں جیسے شعر

کچھ جو سیدھی بھی بات کہتا ہوں	ٹیڑھیاں وہ مجھے سناتا ہے

اصل میں ٹیڑھی باتیں[1]

کبھی موصوف مذکر کو محذوف کر کے صفت کو جمع لاتے ہیں۔ جیسے بُروں سے بچو اور نیکوں کی صحبت اختیار کرو۔ یعنی بُرے لوگوں سے بچو اور نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرو۔

اگر کسی موصوف محذوف کی کئی صفتیں ہوں اور اُن پر حروفِ عاملہ واقع ہوں تو واو اور نون علامتِ جمع سب سے پچھلی صفت میں لگاتے ہیں اور پہلی تمام صفتوں کو واحد رہنے دیتے ہیں۔ جیسے سچے راستباز ایمان داروں سے خدا خوش ہوتا ہے۔ یوں نہیں کہتے کہ سچوں راستبازوں ایمانداروں سے خدا خوش ہوتا ہے۔

فائدہ۔ جس طرح فارسی مرکبِ اضافی اردو میں مستعمل ہے، اسی طرح فارسی مرکبِ توصیفی بھی مستعمل ہے اور موصوف جو مقدم ہوتا ہے مضاف کی طرح مکسور ہوتا ہے اور اگر آخر میں الف یا واو یا ہ ہو تو اس میں اُسی طرح تصرف کیا جاتا ہے جس طرح مرکبِ اضافی[2] میں جیسے روئے خوب۔ خوئے نیک۔ قبائے ابریشمین۔ بندۂ آزاد

[1] لیکن یہ صورت اب متروک ہے۔ عرشی [2] یہاں بھی صرف ی علامتِ صفت ہوتی ہے۔ ہمزہ کا اضافہ غلط ہے عرشی۔

آدے کا آدا یعنی تمام آدا۔

جب مضاف کے بعد حروفِ عاملہ میں سے کوئی حرف آئے تو علاماتِ اضافت کا الف یائے مجہول سے بدل جاتا ہے۔ جیسے "مولوی صاحب کے قلمدان میں سمجھا دے بکس میں" "دا اپنے گھر سے" اسی طرح جب مضاف، مضاف الیہ مل کر مضاف الیہ ہوں تو مرکب مضاف الیہ کی علامتِ اضافت بھی یائے مجہول سے بدل جاتی ہے۔ جیسے زید کے بیٹے کا دوست۔

فائدہ۔ مصدر متعدی جب مضاف ہوتا ہے تو صرف قرینے سے پہچانا جاتا ہے کہ فاعل کی طرف مضاف ہے یا مفعول کی طرف۔ جیسے زید کا ہنسانا۔ بکر کا رُلانا۔ یہاں دونوں ہی باتیں ہو سکتی ہیں۔ زید کا کسی کو ہنسانا یا کسی کا زید کو ہنسانا۔ بکر کا کسی کو رُلانا یا کسی کا بکر کو رُلانا۔

فائدہ۔ مضاف اور مضاف الیہ کی فارسی ترکیبیں بھی اردو میں مستعمل ہیں اور اردو کی نسبت مختصر اور فصیح تر ہوتی ہیں۔ مثلاً غالب

دہر میں نقشِ وفا وجہِ تسلّی نہ ہوا	ہے یہ وہ لفظ کہ شرمندۂ معنی نہ ہوا

اس شعر میں تین جگہ اضافت ہے۔ نقشِ وفا۔ وجہِ تسلّی۔ شرمندۂ معنی۔ ایسی ترکیبیں بیشتر نظم میں ہوتی ہیں اور بندش کو چست کر دیتی ہیں۔

فارسی ترکیب میں مضاف کا حرفِ اخیر مکسور ہوتا ہے جیسے روزِ عید۔ مجمعِ احباب اگر حرفِ اخیر الف یا واؤ ماقبل مضموم ہو تو ایک ہمزۂ مکسور[1] زیادہ کیا جاتا ہے۔ جیسے جفائے دشمن کیمیائے سعادت۔ خوئے دوست بوئے گل اور اگر ہائے ماقبل مفتوح ہو تو ہمزے سے بدل جاتی ہے جیسے خانۂ خدا۔ نالۂ بلبل۔

فائدہ۔ اردو لفظ فارسی یا عربی لفظ کی طرف فارسی یا عربی ترکیب سے نہ مضاف ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے، نہ اس کا مضاف الیہ ہو سکتا ہے۔ مت کہنا۔ روٹیِ گندم۔ شیرِ بھینس۔ شعلۂ آگ

[1] لکھنے میں صرف ہمزہ نہیں لکھتے بلکہ ہمزہ اور ے اس صورت میں (ئے) لکھتے ہیں۔ یعنی ے نیچے لکھی جاتی ہے اور ہمزہ اوپر۔ عرشی عرض کرتا ہے کہ مولف کا یہ قول درست نہیں ایسے مواقع پر علامتِ اضافتِ صرف ی ہوتی ہے۔ ہمزہ لکھنا بقول میرزا غالب عقل کو گالی

کبھی مضاف اور مضاف الیہ مل کر مضاف ہوتے ہیں اور کبھی مضاف الیہ جیسے

میرا چاندی کا قلمدان۔ اپنے قول کا پاس۔

کبھی مضاف موصوف و صفت سے اور کبھی مضاف الیہ صفت و موصوف سے

مرکب ہوتا ہے جیسے خدا کا سچا فرمان اور سچے خدا کا ارشاد

کبھی مضاف محذوف ہو جاتا ہے۔ جیسے مصرع۔

ایمان کی کہیں گے ایمان ہی ہے سب کچھ

یعنی ایمان کی بات۔

کبھی مضاف الیہ محذوف ہو جاتا ہے۔ جیسے شعر۔

افسوس کہ غفلت میں کٹا عہدِ جوانی	تھا آپ لگا گھر میں اگر ہم نے نہ جانا

یعنی ہمارا عہدِ جوانی۔

نثر میں مضاف و مضاف الیہ بلا فصل آتے ہیں۔ نظم میں ضرورت شعری کے سبب اور لفظوں کو بھی بیچ میں لے آتے ہیں۔ آباد:

تھکے پا سے تصورِ اس قدر کی جستجو میں	بہت ڈھونڈا پتا ملتا نہیں کچھ تیرے ایواں کا

دوسرے مصرعے میں پتا مضاف ہے اور تیرے ایواں یہ ترکیب اضافی (یعنی مضاف و مضاف ہو کر) مضاف الیہ۔ نہیں کچھ کا لفظ ان میں فاصل واقع ہوا ہے۔ ظفر

رفتگانِ عدم کی پھرتی ہے	اپنی آنکھوں میں دمبدم صورت

یہاں صورت جو سب سے آخر ہے مضاف ہے اور رفتگانِ عدم جو سب سے پہلے ہے مضاف الیہ۔ بیچ میں تمام الفاظ فاصل ہیں۔

کبھی ایک لفظ کو اُسی کی طرف مضاف کرتے اور اس سے تمام کے معنی لیتے ہیں جیسے حالی

فرض عیب اپنے بیاں کیجے کیا کیا کہ بگڑا ہوا یاں ہے آوے کا آوا

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

(6) [illegible]

[illegible]

مہینہ اور جمعے کو دن اور ممبئی کو شہر کہہ سکتے ہیں لیکن ہر مہینہ کو مارچ اور ہر دن کو جمعہ اور ہر شہر کو ممبئی نہیں کہہ سکتے۔ اس بیان سے اضافتِ تخصیصی اور توضیحی میں جو فرق ہے وہ تم نے بخوبی سمجھ لیا ہوگا۔

(٥) اضافتِ بیانی۔ جس میں مضاف اُس چیز سے جو مضاف الیہ ہو بنا ہوا ہو جیسے کشمیرے کا کوٹ۔ بانات کا جُبّہ۔ چاندی کا قلمدان۔ سونے کا جھومر۔

اضافتِ بیانی میں مضاف الیہ کس چیز کا آیا ہے کا کے جواب میں واقع ہوتا ہے۔ مثلاً جب پوچھیں کہ کس چیز کا یا کا ہے کا کوٹ ؟ تو جواب ہوگا کشمیرے کا۔

(٦) اضافتِ تشبیہی۔ تشبیہ کے معنی ہیں ایک چیز کو دوسری کی مانند کہنا۔ تشبیہ میں چار چیزوں کا ہونا ضرور ہے۔ اول جس کو تشبیہ دیں اُس کو مشبہ کہتے ہیں۔ دوسرے جس سے تشبیہ دیں۔ اس کا نام مشبہ بہ ہے تیسرے جس بات میں تشبیہ اُسکو وجہ شبہ یا وجہ تشبیہ کہتے ہیں اور یہ مضاف و مضاف الیہ یعنی اضافت میں مذکور نہیں ہوتی۔ چوتھے حرف تشبیہ اضافتِ تشبیہی حقیقت میں ایک جملہ ہوتا ہے جس میں اضافت کے سبب حرف تشبیہ اور فعل[ل] کے ذکر اور وجہ شبہ کی صراحت کی ضرورت نہیں ہوتی اور مضاف و مضاف الیہ ہی سے تینوں باتیں خود بخود معلوم ہو جاتی ہیں۔ جیسے طعنے کا نیزہ۔ یعنی طعنہ جو دل میں جا کر لگنے اور زخم کر دینے میں نیزے کی مانند ہے اس عبارت میں پانچوں چیزیں موجود ہیں۔ طعنہ مشبہ۔ نیزہ مشبہ بہ۔ دل میں جا کر لگنا اور زخم کرنا وجہ تشبیہ۔ مانند حرفِ تشبیہ۔ ہے فعل[ع]۔ دیکھو یہاں صرف اضافت سے وجہ تشبیہ اور حرف تشبیہ اور فعل کی کفایت ہو گئی اسی طرح نگاہ کا تیر اور غصے کی آگ وغیرہ۔

یاد رکھو کہ اضافتِ تشبیہہ میں مشبہ بہ مضاف ہوتا ہے اور مشبہ مضاف الیہ

[ل] جس کلمہ کو ہم نے فعل کہا ہے اس کا ذکر ابھی ابھی آتا ہے ١٢

[ع] ہے کو ہم اس کتاب میں فعل ناقص ثابت کریں گے۔ ہمارے نزدیک اس کو حرف ربط کہنا صحیح نہیں ١٢

[illegible]

اگر پوچھیں کہ یہ کس چیز کی انگوٹھی ہے؟ تو جواب ہوگا چاندی کی۔ پس انگوٹھی مضاف ہے اور چاندی مضاف الیہ۔

جب مضاف الیہ منجملہ اُن الفاظ کے نہ ہو جن کے آخر را۔ رے۔ ری۔ نا۔ نے۔ نی۔ آتا ہے تو اُس کے ساتھ ہمیشہ کا۔ کے یا کی آتا ہے۔ اسی لئے ان الفاظ کو علامت اضافت کہا گیا ہے۔ مگر یہ ضرور نہیں کہ جس اسم کے ساتھ یہ لفظ آئیں وہ مضاف الیہ ہی ہو کیونکہ بعض اوقات اور الفاظ کے ساتھ زائد بھی آتے ہیں۔ جیسے "علم کے معنی جاننے کے ہیں"۔ یہاں دوسرا کے زائد ہے۔ کبھی یہ علامت حذف ہو جاتی ہے۔ جیسے۔ ہاتھ کنگن کو آرسی کیا۔ یعنی ہاتھ کے کنگن کو

جب میرا۔ میرے۔ میری۔ تیرا۔ تیرے۔ تیری۔ ہمارا۔ ہمارے۔ ہماری۔ تمہارا۔ تمہارے۔ تمہاری۔ اپنا۔ اپنے۔ اپنی۔ مضاف الیہ ہوتے ہیں تو کا۔ کے۔ کی میں سے کوئی علامت اضافت نہیں آتی

اضافت کا قاعدہ یہ ہے کہ مضاف میں کسی نہ کسی طرح کی خصوصیت یا وضاحت پیدا کر دیتی ہے اور اس کی کئی قسمیں ہیں۔

(۱) اضافتِ تملیکی۔ جب مملوک کی اضافت مالک کی طرف یا مالک کی اضافت مملوک کی طرف ہو تو اس کو اضافتِ تملیکی کہتے ہیں۔ جیسے ناصر کا گھوڑا ہندوستان کا بادشاہ۔ پہلی مثال میں مضاف یعنی گھوڑا مملوک ہے اور ناصر مالک دوسری میں بادشاہ مالک اور ہندوستان مملوک۔

(۲) ظرفی۔ اس میں مضاف مظروف اور مضاف الیہ ظرف ہوتا ہے۔ جیسے کنوئیں کا پانی۔ باغ کا پھول۔ یہ مثالیں ظرف مکان کی ہیں۔ ظرف زمان جیسے صبح کی ہوا۔ دوپہر کی دھوپ

بیت نہ لو صلیبہ کی جی چھڑاتی ہے ان کا

نہ بھر ماہ کی دم تڑاتی ہے ان کا

شوریدگی کے ہاتھ سے سر ہے وبالِ دوش	صحرا میں اے خدا کوئی دیوار بھی نہیں

اس شعر میں شوریدگی مضاف الیہ ہے جو مقدم ہے اور ہاتھ مضاف ہے جو مؤخر ہے۔ نظم میں ضرورتِ شعری کے سبب بسا اوقات مضاف مقدم اور مضاف الیہ مؤخر آتا ہے جیسے حالی

قفلِ درِ مراد سب اک بار کھل گئے
چھوڑا جب آرزو نے بھروسہ کلید کا

یہاں بھروسہ مضاف مقدم ہے اور کلید مضاف الیہ مؤخر۔ داغ

جوہر دکھائے صاحبِ جوہر کے روبرو
ہے قدر آئینے کی سکندر کے روبرو

اس شعر میں قدر مضاف مقدم ہے اور آئینہ مضاف الیہ مؤخر۔

نثر میں بھی بعض اوقات تقدیم و تاخیر کر دیتے ہیں یعنی مضاف کو پہلے اور مضاف الیہ کو پیچھے لانے میں اور وہاں وہی ترکیب اچھی معلوم ہوتی ہے۔ جیسے "دین دوا ہے بیمار کی۔ تسلی ہے بے قرار کی۔ متاع ہے خریدار کی۔ بشارت ہے امیدوار کی۔ نجات ہے گنہگار کی یعنی عنایت ہے پروردگار کی۔"

مضاف اور مضاف الیہ کے پہچاننے کی عام علامت یہ ہے کہ سوال میں جس اسم کے ساتھ کس کا۔ کس کے۔ کس کی۔ کن کا۔ کن کے۔ کن کی لگ سکے وہ مضاف ہے اور جو اسم اس کے جواب میں واقع ہو وہ مضاف الیہ۔ جیسے عارف کا سبق۔ یہاں اگر پوچھیں کس کا سبق تو جواب ہوگا عارف کا۔ پس سبق مضاف ہے اور عارف مضاف الیہ چونکہ اضافت کی کئی قسمیں ہیں جن کا بیان آگے آتا ہے۔ اس لئے بعض اضافتوں میں مضاف کے ساتھ کونسا اور بعض میں کاہے کا یا کس چیز کا لگتا اور جو اس کے جواب میں واقع ہو وہ مضاف الیہ ہوتا ہے۔ جیسے جنوری کا مہینہ۔ یہاں اگر پوچھیں کونسا مہینہ؟ تو جواب ہوگا جنوری کا۔ پس مہینہ مضاف ہے اور جنوری مضاف الیہ۔ اسی طرح چاندی کی انگوٹھی

مرزا غالبؔ

وہ آئیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے	کبھی ہم اُن کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

پہلی مثال میں شاعر خدا سے کارِ نیک کی توفیق مانگتا ہے اور سامع اس کلام سے فائدہ تام حاصل کرتا ہے۔

دوسری میں شاعر کسی ایسے شخص کے آنے کا حال بیان کرتا ہے جس کو عزت اور محبت کی نگاہ سے دیکھتا اور اُس کے اپنے گھر آنے پر مسرت آمیز تعجب ظاہر کرتا ہے اور سننے والا اُس کلام کو سُن کر بیانِ مزید کا منتظر نہیں رہتا

مُرکبِ ناقص کا بیان

اس کی کئی قسمیں ہیں۔ مرکبِ اضافی۔ مرکبِ توصیفی۔ مرکبِ عددی۔ مرکبِ عطفی۔ مرکبِ ظرفی مرکبِ امتزاجی۔ بدل و مبدل منہ۔ عطفِ بیان۔ تابعِ مہمل۔ تابعِ موضوع۔ تاکید و موکد۔ تمیز و ممیز۔ اسمِ فاعل ترکیبی۔ اسمِ مفعول ترکیبی۔ اسمِ صفت ترکیبی۔ اسمِ مکبر جو مرکب ہو۔ اسمِ مبالغہ۔ اسمِ تفضیل۔ اشارہ اور مشارٌ الیہ۔

(١) مرکبِ اضافی

اضافت۔ مضاف۔ مضاف الیہ

جب دو اسم آپس میں ملتے ہیں تو ان میں ایک ادھورا سا تعلق پیدا ہو جاتا ہے اس ناتمام لگاؤ کا نام اضافت ہے۔ جس اسم کا دوسرے کے ساتھ تعلق ظاہر کیا جائے اُس کو مضاف کہتے ہیں اور جس اسم کے ساتھ ظاہر کیا جائے اُس کو مضاف الیہ اور مجموعے کو مرکبِ اضافی۔ عربی اور فارسی میں مضاف مقدم آتا ہے اور مضاف الیہ موخر۔ مگر اردو میں مضاف الیہ کو لاتے اور اُس کے خلاف کو خلافِ فصاحت سمجھتے ہیں۔ جیسے:

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

مصباح القواعد

حصّہ دوم

مصنفہ

مولوی فتح محمد خاں جالندھری مرحوم

مصنف کے صحیح کیے ہوئے نسخے سے مقابلہ کرکے

اشاعت خانہ رامپور

نے

ناظم برقی پریس رامپور میں طبع کرایا

۱۹۴۲ء